سلسلہ نمبر 5 ستمبر تا دسمبر 2012ء، ذوالقعدہ تا صفر 1434ھ

فہرست مضامین

زر تعاون سالانہ: 160 روپے
فی شمارہ: 40 روپے

بیرون ملک
زرِ سالانہ 12 ڈالر (علاوہ ڈاک خرچ)
فی شمارہ 3 ڈالر

Bank Al-Habib A/C NO :
1103-0081-002746-01-2

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
AL-Madinah Islamic Research Center
مسجد سعد بن ابی وقاص ڈیفنس فیز 4، 11 کمرشل اسٹریٹ
نزد نثار شہید پارک وگذری پولیس اسٹیشن کراچی

Ph:+92-21-35896959
Mob+923322135693
WEBSITE:
WWW.ISLAMFORT.COM
E-MAIL:
khalidgoraya1@hotmail.com
info@islamfort.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین کرام:

اللہ تعالی کی توفیق سے مرکزالمدینہ العلمی آپ کے سامنے دین کے مختلف مسائل پر مبنی اردو زبان میں شائع ہونے والی کتب کو اپ لوڈ کرنے کا اعزاز حاصل کر رہا ہے.

ہماری کوشش ہے کہ یہ کتابیں تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق نشر کی جائیں تاکہ آپ کسی قسم کی تشنگی محسوس نہ کریں۔

WWW.ISLAMFORT.COM پر تمام کتابیں:

- اہل علم سے مشاورت اور مرکزالمدینہ العلمی کی مجلس البحث العلمی کی نظر ثانی و تصدیق کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں۔
- یہ کتابیں استفادہ عام کے لیئے نشر کی جا رہی ہیں، جس میں کسی قسم کا تجارتی نفع مقصود نہیں ہوتا۔
- قارئین شرعی، اخلاقی اور قانونی تقاضے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہماری ویب سائٹ سے کسی بھی تجارتی یا دیگر مادی منفعت کی غرض سے کتاب نشر کرنے سے اجتناب کریں۔
- مندرجات کی دعوت و تبلیغ کیلیئے ڈاون لوڈنگ، اور الیکٹرونک ذرائع سے نشر و اشاعت کی اجازت ہے۔
- ان کتب کی طباعت کے خواہشمند حضرات ان کتب کے ناشرین و پبلشرز سے اجازت حاصل کریں۔

نوٹ

اگر آپ کتاب میں کوئی طباعتی بالخصوص آیات واحادیث میں غلطی نوٹ کریں یا کوئی اور قابل توجہ چیز ملاحظہ کریں تو فورا ہمیں ہمارے ای میل: info@islamfort.com پر یا متعلقہ ناشر کو مطلع کریں۔

الیکٹرانک لائبریری کی مزید بہتری کیلیئے ہم آپ کے قیمتی مشوروں کے منتظر ہیں۔

۞اداریہ

گستاخانہ فلم اور امتِ مسلمہ کی ذمہ داری

خالد حسین گورایہ

﴿يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ [1]

"افسوس ہے بندوں پر کہ ان کے پاس جو بھی رسول آیا اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے"

مغرب کا طوفان بد تمیزی اپنے عروج پر ہے، پیارے محمد ﷺ (فداہ ابی و امی) کی ذات اقدس پر اپنی زبانیں ایک بار پھر دراز کئے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ آزادئ رائے کا لبادہ اوڑھ کر کیا کچھ نہیں کرتے الحفیظ والامان۔ مگر ان کی یہ روش قابل تعجب نہیں کیونکہ ہم مسلمان اگر قرآنِ مجید کو صحیح طرح سمجھ لیتے تو ہمیں ان کے کرتوتوں پر حیرت نہ ہوتی بلکہ پہلے سے خود کو ان حادثات کیلئے تیار رکھتے ہمارے رب نے ہمیں بہت پہلے ان کے بارے میں بتا کر ہوشیار رہنے کا حکم دیا تھا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ. هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ. إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ [2]

"اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ۔ (تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے ہم نے تمہارے لئے آیتیں بیان کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو (تو غور کرو) ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے تم پوری کتاب کو مانتے ہو وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟ یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے ہیں کہہ دو کہ اپنے غصہ ہی

---

[1] یٰس: 30

[2] آل عمران :118 - 120

میں مر جاؤاللہ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے۔"

تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں ! اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں تم اگر صبر کرو اور پرہیز گاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔

اللہ اکبر ! اہل نفاق اور اہلِ کفر کے مکر و کید کی اتنی واضح تصویر پیش کرنے سے زبانِ بشری قاصر ہے، ان آیات میں ہمیں حکم دیا گیا کہ ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ ان کا ٹارگٹ ہی تمہاری تباہی کے جتن کرنا ہے، یہ تو چاہتے ہیں کہ تم پریشانی اور تنگی میں مبتلا رہو، جو غیض اور غضب انہوں نے زبان سے ظاہر کیا ہے ان کے دلوں میں اس سے بڑھ کر ہے۔ اور پھر ان کے اس رویہ پر مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی گئی کہ اگر تم صبر کرو، تقویٰ کی زندگی اختیار کرو، تو ان کا مکر تمہیں کوئی نقصان نہ دے گا۔

لہذا یہ بات تو نہایت احمقانہ ہے کہ ملتِ کفر اسلام اور مسلمانوں کیلئے بھلی اور بہتری کی سوچ سوچیں۔ لیکن ایک غیور مسلمان یہ سوچتا ہے کہ اس صورت حال میں جب کہ اہل کفر نے نہ اسلامی مقدسات کو چھوڑا نہ قرآن کو چھوڑا نہ پیارے پیغمبر ﷺ کی شخصیت کو چھوڑا اس صورت میں جب اسلامی حکومتیں کوئی اقدام نہیں کرتیں تو ایک مسلمان کیا کر سکتا ہے ؟

یقینا جذبہ ایمان سے معمور دل ایسا سوچتے ہیں، زیرِ نظر تحریر میں اسی حوالے سے چند گذارشات قارئین کی نظر کرنی ہیں کہ ہماری بحیثیت امت اور بحثیتِ مسلمان فرد کے کیا ذمہ داری بنتی ہے ؟

اول ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ رسول ﷺ کی مدد و نصرت کرنا ہر صاحبِ ایمان پر فرض ہے اسی میں مسلمان کی سعادت ہے۔ اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ رسول ﷺ کی توہین کرنے والا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں کبھی چین نہیں پاسکتا۔ اگر ہم اپنے پیغمبر کی نصرت نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کو کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔ "اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ" " اگر تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اللہ ان کا مددگار ہے "

اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول ﷺ کی مدد کرنے کے مظاہر میں سے ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے رسول کا نام ہی ایسا منتخب کیا ہے کہ پیارے رسول ﷺ کی توہین و تنقیص ہو ہی نہیں سکتی صحیح بخاری و مسلم میں جناب ابو هریرة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ألا ترونَ كيف يَصْرِفُ الله عنِّي شَتْمَ قريشٍ ولعنَهم، يشتمون مُذَمَّماً، ويلعنون مُذَمَّماً، وأنا مُحَمَّدٌ."!

" کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کیسے قریش کی گالی گلوچ اور لعن طعن سے مجھے محفوظ رکھتا ہے اور مجھ سے اسے پھیر دیتا ہے، یہ تو مذمم کو گالی دیتے اور مذمم کو لعن طعن کرتے ہیں اور میں محمد ہوں۔

یعنی میرے رب نے محمد ﷺ کا نام ہی ایسا چنا ہے جس کا مطلب ہی " محمد " یعنی تعریف کیا

گیا۔ہے۔لہذا جو بھی محمد کا نام لیکر توہین کرتا ہے وہ خود ہی بے وقوف ہے کہ محمد (یعنی تعریف کیا گیا) کہہ رہا ہے پھر مذمت بھی کر رہا اس کی بات میں تضاد ہے۔

اہلِ کفر کو چاہئے کہ وہ تاریخ سے سبق سیکھیں، جس شخص نے بھی محمد ﷺ سے استہزا کیا، تمسخر اڑایا، وہ دنیا سے مٹ گیا۔تاریخ نے صرف اس کی یاد کو باقی رکھا جس نے محمد ﷺ کی اور آپ کے احکامات کی عزت و تکریم کی۔ محمد ﷺ کی توہین کرنے والی سلطنتیں نیست و نابود ہو جاتی ہیں اِس سرزمین پر ان کی کوئی جگہ نہیں۔

اس حوالے سے ذرا قیصر و کسریٰ کا حال ملاحظہ کیجئے ،آپ ﷺ نے جب بادشاہوں کو دعوتی خطوط ارسال کئے تو ان میں روم کے بادشاہ قیصر اور فارس کے بادشاہ کسری کو بھی مکتوب نامہ ارسال کیا۔روم کے شہنشاہ قیصر نے آپ ﷺ کے مکتوب گرامی کی قدر اور تکریم کی تو اس کی سلطنت باقی رہی اور بعد ازاں اس کی نسلوں نے اس سے فائدہ اٹھایا لیکن اس کے برعکس کسریٰ نے آپ ﷺ کے مکتوب کی توہین کی اسے پھاڑ دیا، اور آپ ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں نازیبا کلمات کہے، تو اس کی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی۔آپ ﷺ کو جب خبر دی گئی کہ آپ کے خط کو کسریٰ نے پھاڑ دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا'' مزق الله ملكه '' اللہ اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دے''۔اور وہی ہوا کسریٰ کو اس کے اپنے ہی بیٹے نے قتل کر دیا اور سلطنتِ کسروی صفحہ ہستی سے ایسے مٹی جیسا کہ اس کا نام و نشان نہ تھا۔یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ یہ دونوں بادشاہ اسلام نہیں لائے لیکن ایک نے کافر ہوتے ہوئے بھی مکتوبِ محمد ﷺ کی عزت و تکریم کی تو اس کی سلطنت مضبوط ہوئی دوسرے نے مکتوبِ محمد ﷺ کی توہین کی تو اس کی سلطنت زائل ہو گئی۔اہل کفر کو اگر اپنی بقا چاہئے اور اپنی سلطنتوں کو محفوظ کرنا ہے تو محمد ﷺ اور آپ کے احکامات عزت و تکریم کرنے ہو گی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ عیسائی اپنے بادشاہ قیصر کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے مکتوب کی انتہائی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ : ''سہیلی (معروف سیرت نگار) نے ذکر کیا کہ اس تک یہ خبر پہنچی ہے کہ ھرقل نے تعظیماً اس خط کو سونے کے صندوق میں محفوظ کر کے رکھا۔ اور روم کے بادشاہ پشت در پشت اس کے وارث بنتے رہے یہاں تک کہ یہ خط طیطلہ پر قابض ہونے والے فرنگی بادشاہ کے پاس دیکھا گیا۔بعد ازاں اس سے اس کے نواسے کے پاس منتقل ہوا، ہمارے بعض اصحاب نے ہم سے بیان کیا کہ مسلمانوں کے قائد عبدالملک بن سعد کی ملاقات اس بادشاہ سے ہوئی جس کے پاس یہ خط تھا تو اس نے وہ خط نکال کر دکھایا، جب مسلم بادشاہ نے دیکھا تو حیران و آبدیدہ

ہو گیا اور کہا کہ مجھے اسے بوسہ لینے دو لیکن اس عیسائی بادشاہ نے ایسا نہ کرنے دیا۔"

پھر ابن حجر رحمہ اللہ سیف الدین فلیح منصوری سے نقل کرتے ہیں کہ فرنگی بادشاہ نے سونے سے بنے صندوق سے سونے کا قلم دان نکالا اور اس سے ایک خط نکال کر دکھایا جس کے اکثر حرف زائل ہو چکے تھے، اس کو ریشم کے کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹا گیا تا، فرنگی بادشاہ کہنے لگا کہ: یہ وہ خط ہے جو تمہارے نبی ﷺ نے میرے دادا قیصر کو لکھا تھا۔ ہم ابھی تک پشت در پشت اس کے وارث بنتے چلے آرہے ہیں۔ اور ہمارے اباؤ اجداد نے ہمیں وصیت کی ہے کہ جب تک یہ خط تمہارے پاس رہے گا اس وقت تک بادشاہت تمہارے ہاتھ رہے گی۔ ہم اس خط کو بڑی نگہداشت میں رکھتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں، اور عیسائیوں سے اس کو چھپا کر رکھتے ہیں، تاکہ ہماری سلطنت کو دوام ملا رہے"[1]۔

نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے اور آپ ﷺ کو ایذا دینے والے عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾[2]

" آپ سے جو لوگ مسخرا پن کرتے ہیں ان کی سزا کے لئے ہم کافی ہیں"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء اور تکلیف دینے والے کو اہل ایمان سزا نہ دے سکیں تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کا ان سے انتقام ضرور لیتا ہے، اور وہ اپنے رسول کی مدد کیلئے کافی ہو جاتا ہے۔[3]

ہاں بسا اوقات ایسا ضرور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان استہزاء اور تمسخر کرنے والوں کو کچھ وقت کیلئے مہلت دیتا ہے تاکہ ان کی سخت سے سخت گرفت کرے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾[4]

ترجمہ: "آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے۔ میں نے پہلے تو کافروں کو کچھ مہلت دی پھر آخر کار انہیں پکڑ لیا۔ تو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا سخت تھا۔"

لہذا اہل ایمان پر اولین ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ رسول ﷺ کی توہین کرنے والے شخص سے انتقام لیا جائے، اور اسلامی حکومتیں اس میں کردار ادا کریں۔ بڑے ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ

---

[1] كتاب بدء الوحي شرح حديث ابي سفيان في كتاب النبي صلى الله عليه وسلم إلى هرقل

[2] الحجر:٩٥

[3] صارم المسلول جلد2 صفحہ 318 - 316

[4] الرعد :32

ویسے تو اسلامی حکومتیں ذاتی (سیاسی) مخالفین اور قومی مفادات کو نقصان پہنچانے والے مجرمین کو تو تحویلِ مجرمین کے معاہدات کے تحت دیگر ممالک سے طلب کر لیتی ہیں، اور اپنی سرزمینوں سے مغربی ممالک کو مطلوب افراد میں اپنے شہریوں تک کو پکڑ کے ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ مگر اس بے حسی پر افسوس ہی کیا جاسکتا ہے کہ ساٹھ کے لگ بھگ مسلم ممالک آج تک اتنا نہیں کرسکے کہ پوری امت کے جذبات کو مجروح کرنے والے، سید الاولین، رحمت اللعالمین کی توہین کرنے والے، پوری مسلم دنیا میں منافرت کی آگ پھیلانے والے ملعونوں کو مغرب سے طلب کر سکیں۔ سچ فرمایا تھا پیارے پیغمبر ﷺ نے کہ " تم اس دن بہت ہوگے " لكنكم غثاء كغثاء السيل۔" اور اس کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ ایسا اس لئے ہوگا کہ " حب الدنيا و كراهية الموت " تمہارے دلوں میں دنیا کی محبت اور موت سے نفرت پیدا ہو جائے گی" اس لئے تم اس حد کو پہنچ جاؤ گے۔

اگر توہینِ رسالت کے مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانا امت کے لئے ممکن نہیں تو پھر ضروری ہے کہ نصرت کے دوسرے پہلوؤں کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جائے۔ ان پہلوؤں میں سے چند ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

❶ **ہمارے کردار، ہمارے معاملات، ہماری عبادات، ہمارے رہن سہن، اور طرزِ زندگی میں سیرت نبی و اُسوہ مصطفوی ﷺ کی جھلک نظر آنی چاہئے۔** کیونکہ مقتدیٰ و پیشوا رہبر و رہنما کی جانچ کا معیار اہل دنیا نے یہی بنا رکھا ہے کہ وہ اس کے پیروکاروں کو پرکھتے و جانچتے ہیں۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: رافضیوں نے چاہا کہ محمد ﷺ کی شخصیت کو مجروح کریں، اس پر طعن کریں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر انہوں نے اصحابِ رسول ﷺ کو اپنی طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا " ليقول القائل : رجل سوء كان له أصحاب سوء، ولو كان رجلا صالحا لكان أصحابه صالحين ".[1]

تاکہ کہنے والا یہ کہے کہ محمد خود اچھے نہیں تھے (نعوذ باللہ) کیونکہ ان کے صحابہ اچھے نہیں ہیں اگر خود صالح اور نیک ہوتے تو ان کے صحابہ بھی صالح ہوتے۔"

لہذا اگر اہل اسلام اپنے تمام معاملات میں سنت نبویہ ﷺ کی جھلک دکھائیں گے، اسوہ رسول ﷺ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں گے تو دنیا کے منہ خود ہی بند ہو جائیں گے کہ محمد ﷺ کے اگر پیروکار اتنے اچھے ہیں خود محمد ﷺ کتنے اچھے اور عظیم ہوں گے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ رسول ﷺ سے ہماری محبت ابھی محض علامتی، دکھلاوے اور جذبات

[1] منهاج السنة النبوية : 459/7

تک محدود رہ گئی ہے۔ کیونکہ آج کے دور میں مسلمان فرامینِ رسول ﷺ کو جتنا پس پشت ڈالتے ہیں اس کی کوئی انتہا نہیں۔

❷ **گستاخی کرنے والوں کی ہلاکت وبربادی کی کثرت سے دعائیں کی جائیں۔**

دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ پیارے پیغمبر ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے :

"إنما ينصر الله هذه الأمة بضعيفها، بدعوتهم وصلاتهم وإخلاصهم"[1]

'' اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد کمزور لوگوں کے ذریعہ کرتا ہے۔ ان کی دعاؤں، نماز اور اخلاص کی بدولت ''۔

❸ **گستاخی کے مرتکب ہونے والے ملکوں سے تجارتی تعلقات، لین دین، اور دیگر معاملات کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔**

اگر کوئی ہمارے ماں باپ کو گالی دے، توہین کرے تو ہم اس کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتے، اسے اپنی گلی سے گذرنے نہیں دیتے۔ لیکن یہاں سید الانبیاء ﷺ کی گستاخی ہوئی ہے جو ہمیں اپنے والدین اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں مگر پھر بھی اہلِ اسلام کا امریکا فرانس ڈنمارک کی کمپنیوں سے لین دین جاری وساری ہے۔ ڈالر سے کاروبار کرتے ہیں، مغربی بینکوں میں پیسہ محفوظ کیا ہوا ہے !۔ بقول اوریا مقبول جان کے کہ '' آج کا ڈیڑھ ارب مسلمان صابن شیمپو تک اپنا نہیں بناتا'' ہم غیر ملکی سرمائے اور تجارت کو بلڈ کر رہے ہیں، اسے ترقی دے رہے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں ہمیں رسول ﷺ سے محبت ہے۔ کوئی میرے والد کو گالی دے میں زندگی میں کبھی بھول کر بھی اس شخص کی دکان سے سودا نہ لوں لیکن کوئی میرے محمد ﷺ کی توہین کرے اور میں اس سے تعلقات برقرار رکھوں اس کی تجارت کو فروغ دوں اس کے ملک میں رہوں اس کی تہذیب کو اپناؤں

هذا لعمري في القياس بديع

اہل مغرب دنیا کے بھوکے ہیں، مادیت پرست ہیں، ان کو اقتصادی مار پڑی تو انہیں اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی اس صفت کی بخوبی نشاندہی فرمائی ہے "وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا"

'' بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی، آپ انہیں کو پائیں گے، یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ہیں '' ۔

---

[1] سنن النسائی : کتاب الجهاد ، باب الإستنصار بالضعيف

لہذا جب انہیں اقتصادی مار ماری جائے گی تو یقیناان کی عقلیں ٹھکانے آئیں گی۔

اصحاب رسول ﷺ پیارے پیغمبر کی کس طرح نصرت کرتے تھے اس پر بھی ایک نظر ڈالئے۔ صحیحین میں روایت ہے کہ جب منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے جب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بری بات کہی اور کہا کہ اگر ہم مدینے لوٹے تو ہم میں عزت والے لوگ وہاں کے ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے (یہاں اس کی مراد رسول اللہ ﷺ تھے)

تو ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن ابی کے اپنے سگے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی تھا وہ اصحابِ رسول ﷺ میں سے تھے وہ مدینے کے داخلی راستے پر تلوار لیکر کھڑے ہوگئے اور اپنے باپ سے کہنے لگے کہ "واللہ لا تنفلت حتی تقر أنك الذليل ورسول الله صلى الله عليه وسلم العزيز ". اللہ کی قسم تم یہاں سے اس وقت تک ہل نہیں سکتے اور نہ مدینے میں داخل ہو سکتے ہو جب تک یہ اعتراف نہ کرلو کہ تم ذلیل ہو اور اللہ کے رسول ﷺ عزت والے ہیں ۔راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد کو اس وقت تک مدینے میں داخل نہیں ہونے دیا جب تک اس نے اپنی رائے پر معذرت نہیں کرلی اور اپنی بات واپس لی اور اقرار کیا کہ میں ذلیل ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ عزیز یعنی عزت والے ہیں۔

❹ مغربی میڈیا چینلز اور سوشل ویب سائٹس کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔

جن ذرائع اور وسائل کو اختیار کرکے یہ لوگ توہین رسالت کے مواد کو نشر کر رہے ہیں ان کو پوری اسلامی دنیا میں بند کیا جائے۔اگر حکومتیں یہ اقدامات نہیں کرتیں تو امت کے صاحب ایمان افراد رائے عامہ ہموار کریں کہ امت اس خباثت سے کنارہ کش ہو اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا سوچے

❺ رسول اکرم ﷺ کی سیرت،انسانیت پر آپ کی رحمت وشفقت،آپ کے عدل وانصاف اور آپ ﷺ کے سنہری فرامین کو عام کرنے کیلئے سیرت سیمنارز منعقد کئے جائیں، سیرت کے کتب میلے لگائے جائیں،عالمی زبانوں میں ویب سائٹس کا قیام عمل میں لایا جن کے ذریعے دنیا کو آگاہی دی جائے کہ اسلام تشدد والا مذھب نہیں وہ امن کا پیامبر ہے۔ہمارے پیارے نبی ﷺ محسنِ انسانیت تھے۔آپ اخلاق وکردار کے نہایت اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

اس حوالے سے ہمارے پڑوسی ملک سعودی عرب کی عوام وہاں کی حکومت کی کاوشیں قابل ستائش ہیں کہ جب ڈنمارک کے اخبارات میں توہین آمیز خاکے شائع ہوئے تو اس کے بعد سعودیہ کی جانب محمد رسول اللہ ﷺ سے متعلق بیسیوں ویب سائٹس قائم کی گئیں، جن میں کافی بڑی تعداد

میں یورپ میں بھی کام کر رہی ہیں۔ یہ ویب سائٹس دنیا کی بڑی عالمی زبانوں میں ہیں۔ جن کے ذریعے مغرب کے ہزاروں افراد پیغمبر اسلام ﷺ کی رحمت وشفقت اور انقلابی سیرت سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

عرب ممالک میں نبی ﷺ کے دفاع پر کام کرنے والی چند اہم ویب سائٹس مندرجہ ذیل ہیں۔

(عربی اور انگلش میں) http://www.nabialrahma.com/

(دنیا کی دس بڑی زبانوں میں) http://www.mercyprophet.org

(چھے زبانوں میں) http://www.nusrah.com

(چودہ زبانوں میں) http://rasoulallah.net/

(یہ سائٹ پنتالیس انٹر نیشنل زبانوں میں کام کرتی ہے) www.islamhouse.com

(یہ سائٹ سات زبانوں میں مصروفِ عمل ہے) http://sirah.al-islam.com

(صرف عربی زبان میں) http://www.islamprophet.ws/

(چار زبانوں میں) http://www.4muhammed.com

یہ صرف ویب سائٹس ہیں جبکہ پرنٹ میڈیا میں بالخصوص مختلف زبانوں میں سیرت رسول ﷺ کی کتب ترجمہ کی جارہی ہیں ان میں ۴۵ سے زائد زبانوں میں متعدد کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ نیز انٹر نیشنل سطح پر سیمینارز کا انعقاد اور رسول ﷺ کی سیرت کو مغرب میں متعارف کرانے کیلئے انٹر نیشنل تنظیموں کا قیام مملکت سعودی عرب کی یہ الگ جہود ہیں۔ جن میں سے ایک تنظیم International Committee for the Support of the Final Prophet(ICSFP) کے نام سے کام کر رہی ہے۔ جبکہ ایک دوسری تنظیم Global Commission for Introducing the Messenger کے نام سے قائم ہے ۔ الغرض اس کا مقصد یہ ہے کہ سعودیہ کی طرح ہمارے ملک پاکستان سے بھی اتنی ہی مضبوط علمی اصلاحی تحریک اٹھنی چاہیئے کہ دنیاوالوں کو پتہ چلے کہ حق کو جتنا دباؤ گے اتنا ہی ابھرے گا۔

توہین رسالت انتہائی تکلیف دہ عمل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے مغرب کی تدبیر اسے الٹی اپنے ہی گلے پڑ گئی کہ پورے عالم اسلام میں بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے۔ غیر مسلموں کی بھی ایک بڑی تعداد

اسلام میں داخل ہورہی ہے۔اور امت مسلمہ کا جو شیرازہ بکھرا ہوا تھا وہ دوبارہ اتحاد کی صورت اختیار کر رہا ہے۔لہذا مغرب کی تدبیر ان کی تباہی کا سبب بن رہی ہے۔

مغرب کے ایک مفکر کا کہنا ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اسلام مسلمانوں اور محمد رسول ﷺ سے متعلق ریسرچ کرتے گذارا اور بالآخر میں اپنی تحقیق میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمان اسلام سے زیادہ محمد ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :" جو رسول ﷺ کی ذات پر طعن کرتا، آپ کو گالی دیتا ہے، توہین کرتا تو اگر مسلمان اس سے انتقام نہیں لے سکتے اس پر حد قائم نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ ہر حال میں اس سے انتقام لے گا، اور اپنے دین کو غالب کر کے چھوڑے گا۔اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ بہت سے ثقہ مسلمانوں نے جو اہل فقہ واہل خبرہ تھے اس بات کی گواہی دی ہے کہ انہوں نے شام کے ساحلی پٹی پر دوران غزوات متعدد بار اس بات کا تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے کہ ہم رومیوں کے قلعوں اور شہروں کا ایک ماہ یا اس سے بھی زائد عرصہ محاصرہ کئے رہتے حتیٰ کہ بسا اوقات مایوس ہو جاتے کہ اب یہ قلعہ یا شہر ہم سے فتح ہونے والا نہیں، اتنے میں ایسا ہوتا کہ ان رومیوں میں سے کوئی شخص ہمارے نبی ﷺ کی توہین کر دیتا آپ ﷺ کو گالی دیتا، تو ہمارے اندر اتنا جوش اور ولولہ آتا کہ ہم ان قلعوں اور شہروں پر ایک نئے جذبہ انتقام سے چڑھ دوڑتے اور ایک یا دو دن میں اسے فتح کر لیتے۔" [1]

لہذا اس وقت یہی صورت حال ہے کہ اہل اسلام کے دل میں مغرب سے متعلق نفرت بڑھتی چلی جارہی ہے، جس کا وہ اظہار بھی کر رہے ہیں۔

ایک اہم بات یہ کہ ان توہین آمیز حرکات نے اتحادِ کی فضا بھی ہموار کر دی ہے۔لیکن قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اس اتحاد کی اگر کوئی ممکنہ صورت بن سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر آپ ﷺ کے علاوہ اگر کسی شخصیت کی توہین ہوتی تو پوری امت اتنے ولولے اور جذبے سے شاید بیدار نہ ہوتی اس سے یہ سبق ملا کہ ہم نے جو ہر فرقے نے اپنا طرز طریقہ اپنایا ہوا ہے اسے چاہئے کہ اسے چھوڑ کر سنت رسول ﷺ کو اختیار کرے، اور جنھوں نے ہر ایک نے امام منتخب کر کے پھر بلا دیکھے بھالے، اس کی پیروی کر رہے ہیں اس سے اتحاد ممکن نہیں۔اتحاد صرف اور صرف توحید باری تعالیٰ اور اتباع رسول ﷺ سے ممکن ہے۔

---

[1] الصارم المسلول ص116

مسئلہ توہین رسالت

توہین رسالت ﷺ کے مسئلہ پر "اہلحدیث مکتبہ فکر" کے ممتاز علماء ومفتیان کرام اور تمام اہلحدیث جماعتوں کے نمائندوں کا "متفقہ فتوی"

جو شخص بھی رحمۃ للعالمین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے، یا آپ ﷺ کی سیرت وزندگی کے کسی گوشے کے بارے میں استہزائیہ انداز اختیار کرتا ہے، یا آپ ﷺ کی توہین وتنقیص کرتا ہے، یا آپ ﷺ پر ہنسی اڑاتا ہے، یا آپ ﷺ کی طرف بری باتوں کو منسوب کرتا اور آپ ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے چاہے وہ صراحۃً ہوں یا کنایۃً ظاہری ہو یا پوشیدہ" ایسا شخص شاتم رسول ﷺ ہے اور اس کا یہ عمل توہین رسالت کے زمرے میں آتا ہے" .

غیر جانبدارانہ عدالتی تحقیق کے بعد اسکے ارتکاب کرنے والے پر درجہ ذیل حکم لگے گا:

❶ شاتم رسول ﷺ اگر "مسلم" ہے تو وہ ازروئے شریعت مرتد ہو جائے گا اور قرآن وسنت میں اسکی سزا قتل ہے۔

❷ شاتم رسول ﷺ اگر "غیر مسلم" ہے تو شریعت میں اسکی سزا بھی قتل ہے۔

❸ شاتم رسول ﷺ اگر "معاہد ہو یا ذمی" آپ ﷺ کی شان میں توہین کرنے سے اس کا ذمہ اور عہد ختم ہو جائے گا اور شریعت میں اسکی سزا بھی قتل ہے۔

❹ شاتم رسول ﷺ کی توبہ سے اس کی حد ساقط نہیں ہو گی اور توبہ اسے قتل کی سزا سے نہیں بچا سکتی، البتہ آخرت کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ دنیا میں ہر حال میں اسکی سزا شرعاً قتل ہے۔

دستخط علما و مفتیانِ کرام!

❶ فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

(سرپرست المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی پاکستان و امیر جمعیت اہل حدیث سندھ)

❷ فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم صاحب حفظہ اللہ

(امیر ادارۃ الاصلاح پاکستان، ناظم اعلی مرکز التربیہ الاسلامیہ فیصل آباد)

❸ فضیلۃ الشیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ

(شیخ الحدیث و مفتی والتفسیر و رئیس جامعہ تعلیم القرآن والسنۃ پشاور)

❹ فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

(شیخ الحدیث و مفتی و رئیس جامعۃ العلوم الاثریۃ فیصل آباد)

❺ فضیلۃ الشیخ حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ

❻ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ

❼ فضیلۃ الشیخ ابتسام الٰہی ظہیر حفظہ اللہ

(مفتی و ناظم اعلیٰ جماعتِ اہل حدیث پاکستان)

❽ فضیلۃ الشیخ خلیل الرحمن لکھوی حفظہ اللہ

(شیخ الحدیث و مفتی و رئیس معہد القرآن الکریم کراچی)

❾ فضیلۃ الشیخ محمد سلفی حفظہ اللہ

(نائب امیر جماعت غرباء اہل حدیث پاکستان و مدیر جامعۃ ستاریہ الاسلامیۃ کراچی)

❿ فضیلۃ الشیخ محمود الحسن حفظہ اللہ

(شیخ الحدیث و مفتی جامعۃ ستاریہ الاسلامیۃ کراچی)

⓫ فضیلۃ الشیخ ابراہیم بھٹی حفظہ اللہ

(امیر جمعیتِ اہل حدیث سندھ کراچی زون)

⓬ فضیلۃ الشیخ حافظ سلیم حفظہ اللہ

(مفتی المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی و شیخ الحدیث **المعھد السلفی للتعلیم والتربیۃ** کراچی)

⓭ فضیلۃ الشیخ یوسف محمدی حفظہ اللہ

(امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث سندھ و مفتی وصدر مدرّس جامعہ دار الحدیث رحمانیہ سولجر بازار)

⓮ فضیلۃ الشیخ عبدالحنان سامرودی حفظہ اللہ

(سابق شیخ الحدیث و مفتی جامعہ دار الحدیث رحمانیہ سولجر بازار کراچی)

⓯ فضیلۃ الشیخ یوسف طیبی حفظہ اللہ

(رئیس مجلس الافتاء و مدیر جامعۃ الدراسات الاسلامیۃ کراچی)

⓰ فضیلۃ الشیخ ابو عبدالمجید حفظہ اللہ

(مفتی وامیر ادارۃ الاصلاح صوبہ سندھ)

⓱ فضیلۃ الشیخ شریف علی حفظہ اللہ

(نائب مفتی جامعۃ ابی بکر الاسلامیۃ، گلشنِ اقبال کراچی)

⓲ فضیلۃ الشیخ افضل ضیاء حفظہ اللہ

(مدیر جامعۃ الاحسان الاسلامیہ منظور کالونی کراچی)

عقیدہ و منہج

"عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل"

صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

زیرِ نظر تحریر علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے خطبات سے اخذ کی گئی ہے جو انہوں نے اکتوبر و نومبر ۱۹۲۵ء میں جنوبی ہند کی مسلم ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی دعوت پر سیرت نبوی ﷺ کے عنوان پر دیئے تھے۔ یہ سیریز آٹھ خطبات پر مشتمل تھی جو بعد ازاں طبع ہو کر " خطبات مدراس" کے نام سے شائع ہوئی۔ ان خطبات میں رسول کریم ﷺ کی سیرت انتہائی دلنشین انداز میں پیش کی گئی ہے۔ انہی خطبات میں دوسرا خطبہ جس میں آپ ﷺ کی سیرت کے عملی پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے البیان میں شائع کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی مغفرت فرمائے اور انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (ادارہ)

[1] دوستو! آج ہماری بزم کا دوسرا دن ہے، اس سے پہلے جو کچھ عرض ہو چکا ہے وہ پیش نظر رہے تو سلسلہ سخن آگے بڑھے۔ میری پچھلی تقریر کا ماحاصل یہ تھا کہ انسان کے حال اور مستقبل کی تاریکی کو چاک کرنے کے لیے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضروری ہے، جن مختلف انسانی طبقوں نے ہم پر احسان کیے ہیں وہ سب شکریہ کے مستحق ہیں، لیکن سب سے زیادہ ہم پر جن بزرگوں کا احسان ہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں، اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانہ کے مناسب حال، اخلاق عالیہ اور صفات کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا۔ کسی نے صبر اور کسی نے ایثار، کسی نے قربانی، کسی نے جوش توحید، کسی نے ولولہ حق، کسی نے تسلیم، کسی نے عفت، کسی نے زہد،

[1] نوٹ: یہ خطبہ طارق اکیڈمی فیصل آباد کے مطبوعہ نسخہ سے لیا گیا ہے۔

غرضیکہ ہر ایک نے دنیا میں انسان کی پر پیچ زندگی کے راستہ میں ایک ایک مینار قائم کیا ہے، جس سے صراط مستقیم کا پتہ لگ سکے۔ مگر ضرورت تھی کہ ایک ایسے رہنما اور رہبر کی جو اس سرے سے لے کر اس سرے تک پوری راہ کو اپنی ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کر دے۔ گویا ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا پوری گائڈ بک دے دے جس کو لے کر اسی کی تعلیم وہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے۔ یہ راہنما سلسلہ انبیائے علیہم السلام کے آخری فرد حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبی ﷺ ہیں۔ قرآن نے کہا:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴾[1]

"اے پیغمبر (ﷺ)! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور (نیک لوگوں) خوشخبری دینے والا اور (غافلوں کو) ہوشیار کرنے والا اور اللہ کی طرف اسکے حکم سے پکارنے والا اور ایک روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔"

آپ ﷺ عالم میں اللہ کی تعلیم وہدایت کے شاہد ہیں۔ نیکوکاروں کو فلاح اور سعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں۔ ان کو جو ابھی تک بے خبر ہیں، ہوشیار کرنے والے اور بیدار کرنے والے نذیر ہیں۔ بھٹکنے والے مسافروں کو اللہ کی طرف پکارنے والے داعی ہیں اور خود ہمہ تن نور اور چراغ ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کی زندگی راستہ کی روشنی ہے جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کررہی ہے۔ یوں تو ہر پیغمبر اللہ کا شاہد، داعی، مبشر اور نذیر بن کر آیا ہے اس دنیا میں، مگر یہ کل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں۔ بہت سے انبیاء علیہم السلام تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد ہوئے، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام وغیرہ۔۔۔۔ بہت سے نمایاں تھے جو نمایاں طور پر مبشر بنے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام، عیسٰی علیہ السلام۔۔۔۔۔ بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا، جیسے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسٰی علیہ السلام، حضرت ہود علیہ

[1] احزاب: 45،46

السلام، حضرت شعیب علیہ السلام۔ بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعی حق تھے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام۔ لیکن۔۔۔۔جو شاہد، مبشر، نذیر، داعی، سراجِ منیر سب کچھ بیک وقت تھا اور جس کے مرقع حیات میں یہ سارے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے وہ صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ اور یہ اس لیے ہوا کہ آپ ﷺ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے جس کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہ تھا۔ آپ ﷺ ایسی شریعت لے کر بھیجے گئے جو کامل تھی اور جس کی تکمیل کے لیے پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا۔

آپ ﷺ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی، یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا تھا اس لیے آپ ﷺ کی ذات پاک کو مجموعہ کمال اور دولت بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔

دوستو! یہ جو کچھ میں نے کہا یہ میرے مذہبی عقیدے کی بنیاد پر محض کوئی دعویٰ نہیں ہے بلکہ یہ وہ واقعہ ہے جس کی بنیاد دلائل اور شہادتوں پر قائم ہے۔

وہ سیرت یا نمونہ حیات جو انسانوں کے لیے ایک آئیڈیل سیرت کا کام دے اس کے لیے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط تاریخیت ہے۔

✯ تاریخیت:

تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات پیش کیے جائیں وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں، ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو۔ روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک سائیکالوجی (Psychology) یہ ہے کہ کسی سلسلہ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے یا مشتبہ ہے تو خواہ وہ کسی قدر مؤثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے طبیعتیں اس سے دیرپا اور گہرا اثر نہیں لیتیں۔ اس لیے ایک کامل سیرت کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اہم اجزاء کی تاریخیت پر یقین ہو۔ یہی سبب ہے کہ تاریخی انسانوں سے جو اثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے وہ خیالی انسانوں سے نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرت کاملہ کا نقشہ

محض دلچسپی یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لیے نہیں پیش کرتے بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں اور اس کی پیروی اور تقلید کریں، لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں تو آپ کیونکر اس کے قابل عمل اور پیروی و تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرضی اور میتھالوجیکل قصے ہیں جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں ڈال سکتا۔ اس لیے کیا پُراثر ہونے کے لیے اور کیا قابل عمل اور لائق تقلید ہونے کے لیے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ اس کامل انسان کی سیرت تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اترے۔

ہم تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں، لیکن بفحوائے ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾[1] "یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے" دوام، بقا، ختم نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول ﷺ کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے وہ دیگر انبیاء کو اس لیے مرحمت نہ ہوا کہ ان کو داعی، دائمی، آخری اور خاتم النبوت نہیں بنایا گیا تھا۔ ان کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا۔ اس لیے اس زمانہ کے بعد وہ بتدریج دنیا سے مفقود ہو گئیں۔

غور کرو کہ ہر ملک میں، ہر قوم میں، ہر زمانہ میں، ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان اللہ کا پیغام لے کر آئے ہوں گے۔ ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے مگر آج ان میں سے کتنوں کے نام ہم جانتے ہیں اور جتنوں کے نام جانتے ہیں ان کا حال کیا جانتے ہیں؟ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ قدیم اور پرانے ہونے کا دعویٰ ہندوؤں کو ہے گو وہ مسلم نہیں۔ لیکن بغور دیکھو کہ ان کے نزدیک مذہب میں سینکڑوں کریکٹرز (کرداروں) کے نام ہیں مگر ان میں سے کسی کو "تاریخی" ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے۔ ان میں سے بہتیروں کے تو نام کے سوا اور کسی چیز کا ذکر تک نہیں اور میتھالوجی (Mythology) سے

---

[1] البقرۃ: 253

آگے بڑھ کر تاریخ کے میدان میں ان کا گزر بھی نہیں۔ان میں بہتر سے بہتر معلوم کریکٹر وہ ہیں جو مہابھارت اور رامائن کے ہیرو ہیں، مگر ان کی زندگی کے واقعات میں سے تاریخ کس کو کہہ سکتے ہیں؟ یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ زمانہ کے کس دور کی کس صدی اور صدی کے کس سال کے واقعے ہیں؟ اب یورپ کے بعض علماء بیسیوں قیاسات سے کچھ کچھ تقریبی یا تخمینی زمانوں کی تعین کرتے ہیں اور انہی کو ہمارے ہندو تعلیم یافتہ اصحاب اپنے علم کی سند جانتے ہیں۔ لیکن یورپ کے محققین میں سے زیادہ تر ان کو تاریخ کا درجہ ہی نہیں دیتے اور یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ فرضی داستانیں کبھی عالم وجود میں بھی آئی تھیں۔

ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اب بھی لاکھوں آدمیوں کی عقیدت کا مرکز ہے مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی قدامت کے پردے میں گم ہے۔ یہاں تک کہ اس کے تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض شکی مزاج امریکی اور یورپین علماء کو شبہ ہے۔ مستشرقین میں سے جو لوگ اس تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں، سینکڑوں قیاسات سے اس کے حالات زندگی کی کچھ کچھ تعین کرتے ہیں۔ تاہم وہ بھی مختلف محققین کی باہمی متضاد آراء سے اس قدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان ان کے بھروسہ پر اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں قائم کر سکتا۔ زرتشت کی جائے پیدائش، سال پیدائش، قومیت، خاندان، مذہب، تبلیغ مذہب، مذہبی صحیفہ کی اصلیت، زبان، سال وفات اور جائے وفات، ان میں سے ہر ایک مسئلہ سینکڑوں اختلافات کا مرجع ہے اور صحیح روایتوں کا اس قدر فقدان ہے کہ بجز تخمینی قیاسات کے اور کوئی روشنی ان سوالات کی تاریکیوں کو دور نہیں کر سکتی۔ بااین ہمہ پارسی اصحاب ان مشکوک قیاسی باتوں کا علم براہ راست اپنی روایتوں سے نہیں بلکہ یورپین اور امریکن اسکالرز کی تلقینات سے وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو ان کے ذاتی ذرائع علم ہیں وہ "فردوسی" کے "شاہنامہ" سے آگے نہیں بڑھتے۔ یہ عذر بے کار ہے کہ یونانی دشمنوں نے ان کو مٹا دیا۔ یہاں بہر حال ہم کو اتنا ہی بتانا ہے کہ وہ مٹ گئے۔ خواہ وہ کسی طرح سے مٹے ہوں اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو

دوام اور بقاء کی زندگی نہ ملی اور کرن (KERN) اور ڈار میٹیٹر (DARMETATER) جیسے محققین کو زرتشت کی تاریخی شخصیت سے انکار کرنا پڑا۔

قدیم ایشیاء کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے جو کبھی ہندوستان، چین اور تمام ایشیائے وسطی، افغانستان اور ترکستان تک پھیلا ہوا تھا اور اب بھی برما، سیام، چین، جاپان اور تبت میں موجود ہے۔ ہندوستان میں تو یہ کہنا آسان ہے کہ برہمنوں نے اس کو مٹادیا اور ایشیائے وسطیٰ میں اس کا خاتمہ کر دیا مگر تمام ایشیائے اقصٰی میں تو اس کی حکومت، اس کی تہذیب، اس کا مذہب تلوار کی قوت کے ساتھ قائم ہے اور اس وقت سے اب تک غیر مفتوح ہے، لیکن کیا یہ چیزیں بودھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں؟ اور ایک مؤرخ اور یا سوانح نگار کے تمام سوالات کا وہ تشفی بخش جواب دے سکتی ہیں؟ خود بودھ کے زمانہ وجود کی تعیین مگدھ دیس کے راجاؤں کے واقعات سے کی جاتی ہے، ورنہ کوئی ذریعہ نہیں ہے اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہو سکا ہے کہ ان کے سفارتی تعلقات اتفاقاً یونانیوں سے قائم ہو گئے تھے۔ چینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے اور چین کے ایک بانی مذہب، کنفیوشش کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے۔ حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

سامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے لیکن نام کے سوا تاریخ نے ان کا اور کچھ حال نہ جانا۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصہ کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزاء تاریخ کی کڑیوں سے بہر حال گم ہیں۔ اب ان کی مقدس زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیسے۔ ایک کامل انسانی زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں۔ قرآن کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج ہیں ان میں سے ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں اور اگر

ان شکوک سے ہم قطع نظر بھی کر لیں تو ان کے اندر ان بزرگوں کی تصویریں کس درجہ ادھوری ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال ہم کو تورات سے معلوم ہوتا ہے مگر خود تورات جو آج موجود ہے اہل تحقیق کے بیان کے مطابق جیسا کہ خود ہی مصنفین انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (Encyclopedia Britanica) تسلیم کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال کے بعد عالم وجود میں آئی ہے اس پر بھی اب جرمن اسکالرز نے پتہ لگایا ہے کہ موجودہ تورات میں پہلو بہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں یا روایتوں کا سلسلہ ہے جو باہم کہیں کہیں متضاد ہے اور یہی سبب ہے کہ تورات کے سوانح و واقعات میں ہر قدم پر ہم کو تضاد بیانی سے سابقہ پڑتا ہے۔اس تھیوری کی تفصیل ''انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا'' کے آخری ایڈیشن کے آرٹیکل ''بائبل'' میں موجود ہے۔ اب ایسی صورت میں موسیٰ علیہ السلام سے بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کے واقعات کی تاریخی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات انجیلوں میں درج ہیں مگر ان بہت سی انجیلوں میں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو مانتا ہے۔ باقی انجیل طفولیت، انجیل برناباس وغیرہ نا مستند ہیں۔ان چاروں انجیلوں میں سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے کس سے سن کر یہ حالات کا مجموعہ لکھا؟ یہ بھی معلوم نہیں، بلکہ اب تو یہ اور بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے کہ ان چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت صحیح بھی ہے؟ یہ بھی واضح طور سے ثابت نہیں کہ وہ کن زبانوں میں اور کن زمانوں میں لکھی گئیں؟ ۶۰ء سے لے کر بعد کے متعدد مختلف سالوں تک مختلف مفسرین اناجیل۔۔۔ان کی تصنیف کا زمانہ بتاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، وفات اور تثلیث کی تعلیم ان کو سامنے رکھ کر اب بعض امریکن نقاد اور ریشنلسٹ یہ کہنے لگے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود محض فرضی ہے اور ان کی پیدائش اور تثلیث کا بیان یونانی و رومی میتھالوجی کی محض نقالی ہے کیونکہ اس قسم کے خیالات ان قوموں میں مختلف دیوتاؤں اور ہیروؤں کے متعلق پہلے سے موجود تھے۔ چنانچہ

شکاگو کے مشہور رسالہ "روپن کورٹ" میں مہینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرضی وجود پر بحث رہی ہے اس بیان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی تاریخی حیثیت کتنی کمزور معلوم ہوتی ہے؟

✵ کاملیت:

کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل بننے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس صحیفہ حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں، کوئی واقعہ پردہ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو۔ بلکہ اس کے تمام سوانح اور حالات روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لیے ایک آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس معیار پر اگر شارعینِ ادیان اور بانیان مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اسی سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں، لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور مصلحین دین کے زمرہ میں سے صرف تین چار ہستیاں ایسی ہیں جو تاریخی کہی جا سکتی ہیں۔ لیکن کاملیت کے لحاظ سے وہ بھی پوری نہیں ہیں۔ غور کرو کہ مردم شماری کے لحاظ سے آج بودھ کے پیرو دنیا میں آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں۔ مگر بایں ہمہ تاریخی حیثیت سے بودھ کی زندگی کے صرف چند قصوں اور کہانیوں سے ہم کو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں نیپال کی ترائی کے کسی ملک میں راجہ کا ایک لڑکا تھا، جس نے فطرتاً سوچنے والی طبیعت پائی تھی، جوان ہونے پر اور ایک بچہ کا باپ بننے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت زدہ انسانوں پر پڑی، اس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی اور وہ گھر بار چھوڑ کر دیس سے نکل گیا اور بنارس گیا، پاٹلی پتر (پٹنہ) اور راجگیر (بہار) کے شہروں میں اور کبھی جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا اور اللہ جانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے "گیا" کے ایک درخت کے نیچے انکشافِ حقیقت کا

دعویٰ کیا اور بنارس سے بہار تک اپنے نئے مذہب کا وعظ کہتا رہا۔ پھر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہ خلاصہ ہے بودھ کے متعلق ہماری معلومات کا۔

زرتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے مگر ہم بتا چکے ہیں کہ قیاسات کے سوا اس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ ان قیاسات سے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کو ہم بجائے اپنی زبان سے کہنے کے بیسوی صدی کے مستند خلاصہ معلومات انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے آرٹیکل زراسٹر سے یہاں نقل کرتے ہیں۔

"زرتشت کی جس شخصیت سے (گاتھا کے) ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوتی ہے، وہ نئے اوستا کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے۔ وہ ٹھیک متضاد ہے، اس افسانہ کی معجزانہ شخصیت سے (اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کر کے مضمون نگار لکھتا ہے) تاہم ہم یہ توقع نہ کریں کہ ہم گاتھا سے زرتشت کے فیصلہ کن حالات جان سکتے ہیں وہ ہم کو زرتشت کی لائف کا کوئی تاریخی بیان نہیں دیتی اور جو کچھ ملتا بھی ہے اس کے معنی یا توصاف نہیں ہیں یا غیر مفہوم ہیں۔" (گیارہواں ایڈیشن)

زرتشت کے متعلق موجودہ زمانے کی تصنیفات کا باب شروع کرتے ہوئے یہ مضمون نگار لکھتا ہے "اس کی جائے پیدائش کی تعیین کے متعلق شہادتیں متضاد ہیں اس کے زمانہ کے تعیّن کے متعلق بھی یونانی مؤرخین کے بیانات، نیز موجودہ محققین کے قیاسات مختلف ہیں۔ مضمون نگار لکھتا ہے:

"زرتشت کے زمانہ سے ہم قطعاً ناواقف ہیں۔"

بہر حال جو کچھ ہم کو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ آذر بائیجان کے کسی مقام میں پیدا ہوا، بلخ وغیرہ کی طرف تبلیغ کی، ہشتاسپ بادشاہ نے اس کے مذہب کو اختیار کیا۔ کچھ اس نے غیر معمولی معجزے دکھائے، اس نے شادی بیاہ کیا، اولادیں ہوئیں اور پھر کہیں مر گیا۔ کیا ایسی نا معلوم ہستی کے متعلق کوئی کاملیت کا گمان بھی کر سکتا ہے اور اس کی زندگی انسانی سوسائٹی کے لیے چراغِ راہ بن سکتی ہے یا بنائی جا سکتی ہے۔

انبیائے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے موجودہ تورات کے

مستند یا غیر مستند ہونے کی بحث سے قطع نظر کر کے ہم اس کے بیانات کو بالکل مستند تسلیم کر لیتے ہیں، تاہم تورات کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے کس قدر اجزاء ہاتھ آتے ہیں جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو کر فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں، جوان ہو کر فرعونیوں کے مظالم کے خلاف بنی اسرائیل کی ایک دو موقعوں پر مدد کرتے ہیں، پھر مصر سے بھاگ کر مدین آتے ہیں، یہاں شادی ہوتی ہے اور معتدبہ زمانہ تک یہاں زندگی بسر کر کے مصر واپس جاتے ہیں۔ راہ نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں، فرعون کے پاس پہنچتے ہیں، معجزات دکھاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کی رخصت چاہتے ہیں رخصت نہیں ملتی، بالآخر غفلت میں مع اپنی قوم کے نکل جاتے ہیں، اللہ کے حکم سے سمندر میں ان کو راہ مل جاتی ہے۔ فرعون غرق ہو جاتا ہے اور وہ اپنی قوم کو لے کر عرب اور شام کو چلے جاتے ہیں، کافر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں، اسی حالت میں جب وہ بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر ان کی وفات ہو جاتی ہے۔ تورات استثنا کے اختتامی فقرے میں لکھا ہے کہ:

"سو خداوند کا بندہ موسیٰ علیہ السلام خداوند کے حکم کے موافق مواب کی سرزمین میں مر گیا اور اس نے اسے مواب کی وادی میں بیتِ فغور کے مقابل مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا اور اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کی مانند کوئی نبی نہیں ہوا۔"

1. یہ تورات کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں جس کی تصنیف بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ ان فقروں میں سب سے پہلے آپ کی نظر اس پر پڑنی چاہیے کہ یہ پوری کتاب یا اس کے آخری اجزاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں، لیکن بااین ہمہ دنیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں۔

2. ان درسوں کے الفاظ "آج تک اس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا اور اب تک ویسا کوئی نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا۔" ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسوی علیہ السلام کے یہ تکمیلی اجزاء اتنی مدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں جس میں ایک مشہور یادگار کو لوگ بھول سکتے ہیں اور

ایک نئے پیغمبر کی تشریف آوری کی توقع کی جاسکتی تھی؟

❸ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی، مگر غور سے دیکھو کہ اس ایک سو بیس برس کی عمر کے طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کے لیے ہم کو موسیٰ علیہ السلام کے کیا واقعات معلوم ہوئے ہیں؟ اور ان کے سوانح کے ضروری اجزاء ہمارے ہاتھ میں کیا ہیں؟ پیدائش، جوانی میں ہجرت، شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں؟ پھر چند لڑائیوں کے بعد بڑھاپے میں ۱۲۰ برس کی عمر میں ان سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان واقعات کو جانے دیجیے یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں۔ انسان کو اپنی سوسائٹی کے عملی نمونہ کے لیے جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اخلاق و عادات اور زندگانی کے طور طریق ہیں، اور یہی اجزاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے گم ہیں۔ ورنہ عام جزوی حالات یعنی اشخاص کے نام و نسب، مقامات کے پتے، مردم شماریاں اور قانونی قال واقوال بہت کچھ تورات میں مذکور ہیں مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ، کرانولوجی، نسب ناموں اور قانون دانی کے لیے کسی قدر ضروری کیوں نہ ہوں مگر عملی حیثیت سے بالکل بے کار اور اجزائے سوانح کی کاملیت سے معرّا ہیں۔

اسلام کے سب سے زیادہ قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جن کے پیرو آج یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے مذاہب کے پیرووں سے زیادہ ہیں، مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اس مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مذاہب کے بانیوں اور پیغمبر کے سوانح سے سب سے زیادہ کم معلوم ہیں۔ آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا یہ حال ہے کہ وہ بابل واسیریا، عرب و شام، مصر وافریقہ، ہندوستان و ترکستان کے ہزار ہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر کھنڈروں اور پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظر عام پر لا رہا ہے اور دنیا کی تاریخ کے گمشدہ اوراق از سر نو ترتیب دے رہا ہے مگر اس کا مسیحائی معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کر سکتا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعاتِ زندگی نہ ملنا تھے نہ مل سکے۔ انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ۳۳ برس کی تھی، موجودہ انجیلوں کی روایتیں اولاً تو نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں بھی۔۔۔ وہ صرف ان کے آخری تین

سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں۔ ہم کو ان کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں۔ وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مصر لائے گئے، لڑکپن میں دو معجزے دکھائے اس کے بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پھر یک بیک تیس برس کی عمر پتسمہ دیتے اور پہاڑوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں۔ چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں، یہودیوں سے چند مناظرے ہوتے ہیں یہودی ان کو پکڑوا دیتے ہیں، رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا اور سولی دے دی جاتی ہے، تیسرے دن ان کی قبر ان کی لاش سے خالی نظر آتی ہے۔ تیس برس اور کم از کم ۲۵ برس کا زمانہ کہاں گزرا۔۔۔ کیوں کر گزرا؟ دنیا اس سے ناواقف ہے اور رہے گی۔۔۔ ان تین آخری برسوں کے واقعات بھی کیا ہیں؟ چند معجزے اور مواعظ اور آخر سولی۔

✵ جامعیت:

کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لیے تیسری ضروری شرط "جامعیت" ہے۔
جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقاتِ انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لیے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد، ہر انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لیے جن نمونوں اور مثالوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس "آئیڈیل زندگی" کے آئینہ میں موجود ہوں، اس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ سوائے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ مذہب کیا چیز ہے؟ اللہ اور بندوں اور باہم بندوں کے متعلق جو واجبات اور فرائض ہیں ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا نام ہے۔ اس لیے ہر مذہب کے پیروؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے بانیوں اور پیغمبروں کی سیرتوں میں ان حقوق، فرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں حیثیتوں سے جب آپ تفصیلات ڈھونڈیں گے تو وہ آپ کو پیغمبرِ اسلام کے سواء کہیں نہیں ملیں گی۔

مذاہب دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن میں اللہ کو تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ بودھ اور

جین مذہب کے متعلق کہا جاتا ہے۔ اس لیے ان مذہبوں میں تو اللہ، اس کی ذات، صفات اور دیگر حقوق الٰہی کا پتہ ہی نہیں اور اس لیے ان کے بانیوں میں محبتِ الٰہی، خلوص اور توحید پرستی کی تلاش ہی بیکار ہے۔ دوسرے وہ مذاہب ہیں جنھوں نے اللہ کو کسی نہ کسی رنگ میں مانا اور تسلیم کیا ہے۔ ان مذہبوں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں۔ اللہ کے متعلق ہم کو کیا کیا اعتقاد رکھنے چاہئیں اور ان کے کیا اعتقاد تھے؟ اور ان اعتقادات پر ان کو عملاً کس حد تک یقین تھا اس کی تفصیل سے ان کی سیرتیں خالی ہیں۔ پوری تورات پڑھ جاؤ، اللہ کی توحید اور اس کے احکام اور قربانی کی شرائط کے علاوہ تورات کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلقاتِ قلبی اور طاعت و عبادت اور اللہ پر توکل و یقین، اللہ کے صفاتِ کاملہ والٰہیہ کی جلوہ گری، ان کے قلبِ اقدس میں کہاں تک تھی؟ حالانکہ اگر موسیٰ علیہ السلام کا مذہب ہمیشہ کے لیے اور آخری مذہب کے طور پر آیا ہوتا تو اس کے پیروؤں کا فرض تھا کہ وہ ان واقعات کو قیدِ تحریر میں لاتے۔ مگر اللہ کی مصلحت یہ نہ تھی اس لیے ان کو یہ توفیق ہی نہ ملی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے۔ انجیل میں اس مسئلہ کے علاوہ کہ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا ہم کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات اور روابط تھے۔ بیٹے کے اقرار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ باپ کو بیٹے سے بڑی محبت تھی مگر یہ نہیں معلوم کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی؟ وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصروف تھا۔ وہ اس کے آگے شب و روز میں کبھی جھکتا بھی تھا اور "آج کی روٹی" کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اس نے اس سے کبھی مانگی؟ گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اس پر ایسی گزری کہ وہ اپنے باپ کے حضور میں دعا مانگ رہا ہو۔ پھر ایسی سیرت سے ہم روحانی حیثیت سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں اللہ اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساڑھے تین سو برس کے بعد پہلے عیسائی بادشاہ کو نیس میں ۳۰۰ عیسائی علماء کی مجلس اس کے فیصلہ کے لیے فراہم نہ کرنی

پڑتی اور وہ اب تک ایک ناقابلِ فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوق العباد کی حیثیت کو لیجیے تو اس سے بھی حضرت خاتم النبیین ﷺ کے سوا تمام دیگر انبیاء علیہم السلام اور بانیانِ مذاہب کی سیر تیں خالی ہیں۔ بودھ نے اپنے تمام اہل و عیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی سے جس سے اس کو بے حد پیار و محبت تھی اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی تعلق نہ رکھا، دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہو گیا۔ حکومت اور سلطنت کے بارِ گراں سے سبکدوشی حاصل کی اور نروان یا موت کے حصول کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا۔ ان حالات میں کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بسنے والوں کے لیے جن میں حکومت اور رعیت، شاہ و گدا، آقا اور نوکر، باپ بیٹے، بھائی بہن اور دوست احباب کے تعلقات ہیں۔۔۔ بودھ کی سیرت کچھ کار آمد ہو سکتی ہے؟ کیا بودھ کی زندگی میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تارک الدنیا بھکشوؤں اور کاروباری انسانوں دونوں کے لیے قابلِ تقلید نہ بنی، ورنہ چین، جاپان، سیام وانام، تبت و برما کی تمام سلطنتیں، تجارتیں، صناعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہو جاتے اور بجائے آباد شہروں کے صرف سنسان جنگلوں کا وجود رہ جاتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا ایک پہلو ہی نہایت واضح ہے کہ وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے ورنہ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لیے دنیاوی حقوق، واجبات، فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔ میاں بیوی، باپ بیٹے، بھائی بھائی، دوست احباب کے متعلق ان کا کیا طرزِ عمل تھا؟ صلح کے فرائض میں ان کا کیا دستور تھا؟ ان مال و دولت کو کن مفید کاموں میں انہوں نے لگایا، بیماروں، یتیموں، مسافروں اور غریبوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا؟ ان کے ماننے والے ان امور میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیونکر فائدہ اٹھائیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیوی رکھتے تھے، بچے رکھتے تھے، بھائی رکھتے تھے، دوسرے اعزّہ اور متعلقین رکھتے تھے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرزِ عمل یقیناً حرف گیری سے پاک ہوگا، مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہم کو یہ ابواب نہیں ملتے جو ہمارے لیے

قابل تقلید اور نمونہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں اور انجیل کے بیان کے مطابق ان کے بھائی بہن بھی تھے بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھے مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ان کا تعلق، طرزِ عمل سلوک اور برتاؤ ظاہر نہیں کرتے۔ حالانکہ دنیا انہی تعلقات سے آباد رہی ہے اور رہے گی۔ مذہب کا بڑا حصہ انہی کی متعلقہ ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا نام ہے اور علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محکومی کی زندگی بسر کی۔۔۔ اس لیے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے۔ وہ متاہل نہ تھے، اس لیے ان دو جوڑوں کے لیے جن کے درمیان تورات کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی اور دنیا کی بیشتر آبادی متاہلانہ زندگی رکھتی ہے اس لیے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے بیشتر حصہ آبادی کے لیے ان کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی۔ جس نے گھر بار، اہل و عیال اور مال و دولت، صلح و جنگ، دوست و دشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو وہ اس دنیا کے لیے جو انہی تعلقات سے معمور ہے کیونکر مثال ہو سکتا ہے؟ اگر آج دنیا یہ اختیار کر لے تو کل وہ سنسان قبرستان بن جائے۔ تمام ترقیاں دفعتاً رک جائیں اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ کے لیے زندہ بھی نہ رہے۔

✵ عملیت:

"آئیڈیل لائف" کا سب سے آخری معیار عملیت ہے، عملیت سے یہ مقصود ہے کہ شارعِ دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو اور خود اس کے عمل نے اس کی تعلیم کو عملی یعنی عمل کے قابل ثابت کیا ہو۔

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دلچسپ نظریہ اور خوش آئند سے خوش آئند اقوال ہر وقت ہر شخص پیش کر سکتا ہے، لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت پیش نہیں کر سکتا وہ عمل ہے۔ انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل، اس کے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی و فلسفیانہ نظریے نہیں بلکہ اس کے کارنامے اور اعمال ہیں۔ اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے اور برے کی تمیز اٹھ جائے اور دنیا صرف بات بنانے والوں کی مسکن رہ جائے تو

اب مجھے پوچھنے دیجیے کہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیانِ مذاہب میں سے کون اپنی عملی سیرت کو اس ترازو پر تلوانے کے لیے آگے بڑھ سکتا ہے؟

> ”تو اپنے خداوند کریم کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر، تو دشمن کو پیار کر جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے اپنا بایاں گال بھی پھیر دے۔ جو تجھ کو ایک میل بے گار لے جائے تو اس کے ساتھ دو میل جا، جو تیرا کوٹ مانگے تو اس کو کرتہ بھی دے دے، تو اپنے مال و اسباب کو اللہ کی راہ میں دے دے، تو اپنے بھائی کو ستر دفعہ معاف کر، آسمان کی بادشاہت میں دولت مند کا داخل ہونا مشکل ہے۔“

یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت ہی دل خوش کن ہیں مگر عمل سے ان کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا ٹکڑا نہیں بلکہ وہ معصومانہ شیریں زبانیوں کا ایک مجموعہ ہے جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا ہو وہ عفو کی عملی مثال کیسے پیش کر سکتا ہے جس کے پاس خود کچھ نہ ہو وہ غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کی مدد کیونکر کر سکتا ہے؟ جو عزیز و اقارب، بیوی بچے نہ رکھتا ہو وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کے لیے مثال کیونکر بن سکتا ہے؟ جس نے بیماروں کی تیمارداری اور عیادت نہ کی ہو وہ اس کا وعظ کیونکر کہہ سکتا ہے؟ جس کو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو، اس کی زندگی ہم میں غضب ناک اور غصہ ور لوگوں کے لیے نمونہ کیسے بنے گی؟

غور فرمایئے! نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک سلبی ایک ایجابی۔ مثلاً آپ پہاڑ کے ایک کھوہ میں جا کر عمر بھر کے لیے بیٹھ گئے تو صرف یہ کہنا صحیح ہو گا کہ بدیوں اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا یعنی آپ نے کوئی کام ایسا نہ کیا جو آپ کے لیے قابلِ اعتراض ہو مگر یہ تو سلبی تعریف ہوئی۔ ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی، محتاجوں کو کھانا کھلایا، کمزوروں کی حمایت کی، ظالموں کے مقابلے میں حق گوئی سے کام لیا؟ گرتوں کو سنبھالا، گمراہوں کو راستہ دکھایا، عفو و کرم، سخاوت، مہمان نوازی، حق گوئی، رحم، حق کی نصرت کے لیے جوش، جدوجہد، مجاہدہ، ادائے فرض، ذمہ داریوں کی بجا آوری، غرض تمام وہ اخلاق جن کا تعلق عمل سے ہے وہ صرف سلبِ فعل اور عدم عمل سے نیکیاں نہیں بن جائیں گی۔ نیکیاں صرف سلبی ہی پہلو نہیں رکھتیں، زیادہ تر ایجابی اور عملی پہلو پر ان کا مدار ہوتا ہے۔

اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو ''آئیڈیل لائف'' اور قابلِ تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جاسکتا کہ انسان اس کی کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا؟ ہم کو تو صلح و جنگ، فقر و دولت، ازدواج و تجرد، تعلقاتِ رب کریم اللہ اور تعلقاتِ عباد، حاکمیت و محکومیت، سکون و غضب، جلوت و خلوت، غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہیے۔ دنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ انہی مشکلات اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے اس لیے لوگوں کو انہی مشکلات کے حل کرنے اور انہی تعلقات کو بوجہ احسن انجام دینے کے لیے عملی مثالوں کی ضرورت ہے۔ قولی نہیں بلکہ عملی۔۔۔ لیکن یہ کہنا شاعری نہیں اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ **اس معیار پر بھی سیرتِ محمدی ﷺ کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی۔**

میں نے آج جو کچھ کہا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیجیے میں یہ کہنا اور دکھانا چاہتا ہوں کہ ''آئیڈیل لائف'' اور نمونہ تقلید بننے کے لیے جو حیاتِ انسانی منتخب کی جائے ضروری ہے کہ اس کی اپنی سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں، یعنی تاریخیت۔۔۔ جامعیت۔۔۔ کاملیت اور عملیت۔۔۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں، ان کے عہد اور زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی سیرتیں جو ان کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں یا جو آج موجود ہیں وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں اور ایسا ہونا مصلحتِ الٰہی کے مطابق تھا تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لیے تھے۔ اس لیے ان کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آئندہ ہر زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف محمد رسول اللہ ﷺ تمام دنیا کی قوموں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نمونہ عمل اور قابلِ تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل، دائمی اور ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ختمِ نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [1]

---

[1] احزاب: 40

سیرت محمدی ﷺ کا تاریخی پہلو

(تاریخیت)

آیئے اب ان چاروں معیاروں کے مطابق پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت مبارکہ پر نظر ڈالیں۔ سب سے پہلی چیز تاریخیت ہے۔ اس باب میں دنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر ﷺ کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرت محمد ﷺ کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے وہ عالم کے لیے مایۂ حیرت ہے۔ ان لوگوں کو جو آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال اور متعلقات زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویانِ حدیث و روایتِ محدثین اور اربابِ سیر کہتے ہیں جن میں صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب تمام سرمایہ روایت، تحریری صورت میں آگیا تو ان تمام راویوں کے نام و نشان، تاریخِ زندگی، اخلاق و عادات کو بھی قیدِ تحریر میں لایا گیا جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔ اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام "اسماء الرجال" ہے۔ مشہور جرمن ڈاکٹر "اسپرنگر" جو ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد تک (انڈیا) ہندوستان کے علمی اور تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے اور بنگال ایشاٹک سوسائٹی کے سیکرٹری تھے اور ان کے عہد میں خود ان کی محنت سے واقدی کی مغازی، وان کریمر کی اڈیٹر شپ میں ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی اور صحابہ کرام کے حالات میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی "اصابہ فی احوال الصحابہ" طبع ہوئی اور جنھوں نے (جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ پہلے یورپین شخص ہیں جس نے خاص ابتدائی عربی ماخذوں سے) "لائف آف محمد" لکھی ہے اور مخالفانہ لکھی ہے وہ بھی اصابہ کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۳ء، ۱۸۶۴ء میں لکھتے ہیں:

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو اس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

صحابہ کرام کی تعداد حیات نبوی ﷺ کے آخری سال حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تھی۔ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام ونشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں۔۔۔جو خاص انہی کے حالات میں لکھے گئے ہیں اس لیے موجود ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال وواقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے۔یعنی جنھوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے۔

۱۱ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور تقریباً ۴۰ ہجری تک اکابر صحابہ عالمِ وجود میں رونق افروز رہے۔۶۰ ہجری تک اصاغر صحابہ کی جو عہد نبوت میں کم سن تھے خاصی تعداد موجود تھی اور صدی کے ختم ہونے تک اس نورِ نبوت کا تقریباً ہر چراغ گل ہو گیا تھا۔ہر شہر میں سب سے آخر وفات پانے والے صحابیوں کے نام اور سال وفات یہ ہیں:

نمبر شمار	اسمِ گرامی	نام شہر	سال وفات
۱	ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ	شام	۸۶ ہجری
۲	عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ	مصر	۸۶ ہجری
۳	عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ عنہ	کوفہ	۸۷ ہجری
۴	سائب بن یزید رضی اللہ عنہ	مدینہ منورہ	۹۱ ہجری
۵	انس بن مالک رضی اللہ عنہ	بصرہ	۹۳ ہجری

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جنھوں نے اس فہرست میں سب سے آخری جگہ پائی ہے۔وہ آنحضرت ﷺ کے خادم خاص تھے۔دس برس تک مسلسل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے،وہ ۹۳ ہجری میں وفات پاتے ہیں۔

تابعین یعنی صحابہ کرام کے تلامذہ کا دور ایک (۱) ہجری کے آغاز سے اس طرح شروع ہوتا ہے کہ گو وہ پیدا ہو چکے تھے مگر آنحضرت ﷺ کی زیارت سے محروم رہے یا بہت بچے تھے اور آنحضرت ﷺ کا فیض نہ حاصل کر سکے۔چنانچہ عبدالرحمن بن حارث تابعی تقریباً ۳ ہجری میں

، قیس بن ابی حازم ۴ ہجری، سعید بن مسیب ۱۴ ہجری میں پیدا ہو چکے تھے، یہ دکھانے کے لیے کہ صحابہ کے بعد گروہ در گروہ تابعین جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے تھے اور رسول ﷺ کے وقائع و حالات اور احکام و قضایا کی تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں مصروف تھے، ان کی مجموعی تعداد کیا ہو گی؟ میں صرف مدینہ کے تابعین کی تعداد ''ابن سعد'' کے حوالہ سے بتاتا ہوں۔ طبقہ اولیٰ یعنی ان تابعیوں کی تعداد جنھوں نے بڑے بڑے صحابہ کرام کو دیکھا تھا اور ان سے واقعات و مسائل سنے تھے ۱۳۹ ہے۔ طبقہ دوم یعنی وہ تابعی جنھوں نے مدینہ میں عام صحابیوں کو دیکھا اور ان سے سنا ۱۲۹ ہیں، طبقہ سوم کے وہ تابعین جنھوں نے متعدد یا کسی ایک صحابی کو دیکھا اور ان سے سنا ۸۷ ہیں۔ اس طرح تابعین کی کل تعداد ۳۵۵ ہے۔ یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے اسی سے مکہ معظمہ، طائف، بصرہ، کوفہ، دمشق، یمن، مصر وغیرہ کے ان تابعیوں کا اندازہ لگاؤ جو اپنے اپنے شہروں میں صحابہ کرام کے تلامذہ ہونے کا شرف رکھتے تھے اور جن کے شب و روز کا مشغلہ ہی آنحضرت ﷺ کے قول و فعل کی اشاعت و تبلیغ تھی۔ اس اہتمام کا خیال کرو کہ ہر صحابی سے جو کچھ روایتیں ہیں ان میں سے ہر ایک کا شمار کر لیا گیا اور وہ گن لی گئیں۔ اس سے اندازہ کرو کہ آنحضرت ﷺ کے حالات و اقوال کی فراہمی میں کس قدر بلیغ اہتمام کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام میں سے جن اصحاب کی سب سے زیادہ روایتیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

نمبر شمار	اسمائے گرامی	روایتوں کی تعداد	سال وفات
۱	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	۵۳۷۴	۵۹ھ
۲	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۲۶۶۰	۶۸ھ
۳	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	۲۲۱۰	۵۸ھ
۴	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۱۶۳۰	۷۳ھ
۵	حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	۱۵۶۰	۷۸ھ
۶	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	۱۲۸۶	۹۳ھ
۷	حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ	۱۱۷۰	۷۴ھ

یہی وہ لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرتِ نبوی ﷺ کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔ان کی وفات کی تاریخوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہو گا کہ ان کی وفات کے سال اس قدر متاخر ہیں کہ ان سے فیض اٹھانے اور ان کی روایتوں کو حفظ اور تدوین کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہو گی۔انھی باتوں کی واقفیت اور آگاہی کا نام اس زمانہ میں علم تھا اور وہ دینی اور دنیاوی دونوں عزتوں کا ذریعہ تھیں۔اس لیے ہزاروں صحابہ نے جو کچھ دیکھا اور جانا تھا۔آنحضرت ﷺ کے حکم (بَلِّغُوْ عَنِّی) (مجھ سے کچھ سنو اور دیکھو اس کی اشاعت کرو۔) یا (فلیبلّغ الشاھد الغائب) (جو مجھے دیکھ رہے ہیں اور مجھ سے سن رہے ہیں وہ ان کو مطلع کر دیں جو اس سے محروم رہے ہیں) کے مطابق وہ سب اپنی اپنی اولادوں، عزیزوں، دوستوں اور ملنے والوں کو سناتے اور بتاتے رہتے تھے۔یہی ان کی زندگی کا کام اور یہی ان کے شب وروز کا مشغلہ تھا۔اس لیے صحابہ کرام کے فوراً بعد ہی دوسری نوجوان پود، ان معلومات کی حفاظت کے لیے کھڑی ہو گئی۔ان میں سے ہر ایک کو ہر واقعہ کا لفظ لفظ یاد کرنا پڑتا تھا، ان کو دہرانا پڑتا تھا اور حرفاً حرفاً محفوظ رکھنا پڑتا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے جہاں اپنے اقوال وافعال کی اشاعت کی تاکید کی تھی وہاں یہ بھی تہدید کر دی تھی کہ "جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹی بات بیان کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔" اس اعلان کا یہ اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام روایت کرتے وقت کانپنے لگتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی کوئی بات نقل کی تو چہرے کا رنگ بدل گیا، پھر کہا "حضور ﷺ نے ایسا ہی فرمایا تھا، یا اسی کے قریب قریب فرمایا۔

عربوں کا حافظہ فطرۃً نہایت قوی تھا۔وہ سینکڑوں شعروں کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس سے جس قدر کام لیا جائے گا اسی قدر اس کی زیادہ ترقی ہوتی ہے۔ صحابہ اور تابعین نے قوت حفظ کو معراج کمال تک پہنچایا۔وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اس طرح زبانی سن کر یاد کرتے تھے جیسے مسلمان آج قرآن مجید یاد کرتے ہیں۔ایک ایک محدث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثیں زبانی یاد کرتا تھا اور یاد

رکھتا تھا اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لیے لکھ بھی لیتے تھے وہ خود اپنی تحریری یاد داشتوں کے عیب کو چھپاتے تھے تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ چیزیں یاد نہیں ہیں۔

دوستو! بعض اور نٹیلسٹ اسکالرز اور بعض پڑھے لکھے مستشرقوں نے جن میں سب سے آگے سر ولیم میور اور گولڈزیر ہیں ،اس بنا پر کہ روایتِ نبوی ﷺ کی تحریر و تدوین کا کام حضور ﷺ کی وفات کے ۹۰ برس بعد شروع ہوا۔ان کی صحت اور وثوق میں شک پیدا کرنا چاہا مگر ہم نے جس طرح اوپر بتفصیل آپ کے سامنے پوری روداد رکھی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہ کس طرح واقعات کو یاد رکھتے تھے، کس طرح احتیاط برتتے تھے، کس طرح آنے والی نسلوں کو وہ امانت سپرد کرتے تھے۔اس سے خود اندازہ ہوگا کہ گو وہ روایات تحریری صورت میں بہت بعد کو آئی ہوں تاہم ان کی صحت اور وثوق میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

صحابہ نے اپنی معلومات کو عموماً تین اسباب سے قیدِ تحریر میں لانا مناسب نہیں سمجھا۔

❶ ابتداءً آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز کو کتاب کی صورت میں لکھنے کی ممانعت کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو (لا تکتبوا عنّی غیر القرآن)اور یہ اس لیے تھا کہ عام لوگوں کو قرآن اور غیر قرآن میں باہمی التباس نہ ہو جائے۔ چنانچہ جب قرآن مسلمانوں میں پوری طرح محفوظ ہو گیا تو آخر میں خود ہی آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو احادیث کی تحریر کی اجازت دے دی۔اس پر بھی اکثر صحابہ کرام ان کو قیدِ تحریر میں لانے سے اخیر دم تک احتیاط برتتے رہے۔

❷ صحابہ کو ڈر تھا کہ وقائع کی تحریری صورت میں آجانے کے بعد لوگوں کو پھر ان کے ساتھ وہ اعتناء توجہ اور مشغولیت باقی نہیں رہے گی اور لوگ تحریری مجموعہ کے موجود رہنے کے سبب سے ان کے حفظ وزبانی یاد رکھنے کی صورت و محنت سے جی چرائیں گے۔ یہ ڈر بالکل صحیح ثابت ہوا چنانچہ جیسے جیسے سفینوں کا علم بڑھتا گیا سینوں کا علم گھٹتا گیا۔ نیز اسی سلسلہ میں ان کو یہ بھی خیال تھا کہ ہر کس و ناکس کتاب کے مجموعہ کو ہاتھ میں لے کر عالم بننے کا دعویٰ کر بیٹھے گا۔ چنانچہ یہ بھی ہوا۔

❸ تیسری وجہ یہ تھی کہ ابھی تک عرب میں کسی واقعہ کو لکھ کر اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس کو اپنی کمزوری کا اعلان تصور کرتے تھے۔ اس لیے کوئی چیز تحریر بھی کر لیتے تو اس کو چھپائے رکھتے تھے۔

محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یاد داشت تحریری یاداشت سے زیادہ محفوظ صورت ہے۔ تحریری یاداشت کو دوسروں کے تصرف سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا۔ ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی اس میں کمی بیشی نہ کرے مگر جو نقوش دلوں کی لوحوں پر کندہ ہو جاتے ہیں ان میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔

آج پہلی دفعہ آپ کی مجلس میں اور سب سے پہلے آپ کی مجلس میں اس حقیقت کو آشکارا کیا جاتا ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ سو برس یا نوے برس تک وقائع واقوال نبوی ﷺ کا دفتر صرف زبانی روایتوں تک محدود رہا اس غلط فہمی کا اصل سبب یہ ہے کہ احادیث واخبار نبوی ﷺ کی پہلی کتاب امام مالک کی ''مؤطا'' اور مغازی وسیرت میں ابن اسحاق کی کتاب ''المغازی'' سمجھی جاتی ہے۔ یہ دونوں بزرگوار ہم عصر تھے اور ان کی وفات بالترتیب ۱۷۹ھ اور ۱۸۱ھ میں ہوئی۔ اس لیے اخبار وسیر کی سب سے پہلی تدوین کا زمانہ دوسری صدی کا اوائل سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سے بہت پہلے احادیث واخبار کی ترتیب وتدوین کا سراغ لگتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۱۰۱ ہجری میں وفات پائی۔ وہ خود بڑے عالم تھے۔ مدینہ کے امیر بھی رہ چکے تھے۔ ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے قاضی ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو جو حدیث وخبر کے بڑے امام تھے فرمان بھیجا کہ:

> ''آنحضرت ﷺ کے سنن واخبار کی تحریر وتدوین کا کام شروع کر دو کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے گم ہو جانے کا ڈر ہو رہا ہے۔''

یہ واقعہ تعلیقاتِ بخاری، مؤطا اور مسند دارمی وغیرہ میں مذکورہ ہے۔ چنانچہ اس فرمان کی تعمیل کی گئی اور اخبار واحادیث وسنن دفاتر میں لکھ کر دارالخلافہ میں آئے اور ان کی نقلیں تمام ممالکِ اسلامیہ کے مرکزی شہروں میں بھیجی گئیں۔ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کا انتخاب

اس کام کے لیے اس لیے ہوا کہ وہ خود امام تھے۔ مدینۃ العلم ۔۔۔۔ مدینہ منورہ میں قاضیِ وقت تھے لیکن اس لیے بھی یہ انتخاب موزوں تھا کہ ان کی خالہ عمرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سب سے بڑی شاگرد تھیں اور ان کی روایتیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھیں ان کا سرمایہ ابو بکر بن حزم کے پاس پہلے سے جمع تھا چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو خاص عمرہ کی روایتوں کی تدوین کے متعلق بھی حکم دیا تھا۔

✷ عہد نبوی ﷺ کا تحریری سرمایہ:

آگے بڑھ کر ہم دعوی کرتے ہیں کہ خود عہد نبوی ﷺ ہی میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو چکا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابو شاہ رضی اللہ عنہ ایک یمنی صحابی کی درخواست پر آپ ﷺ نے یہ خطبہ لکھ کر ان کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ (باب کتابۃ العلم)

آنحضرت ﷺ نے سلاطینِ عالم کے نام جو خطوط[1] روانہ کیے وہ لکھے ہوئے تھے۔ دس پندرہ برس ہوئے کہ مصر میں آپ ﷺ کا وہ خط جو مقوقس شاہِ مصر کے نام آپ ﷺ نے بھیجا تھا، ایک عیسائی گرجے کی کسی کتاب کی جلد میں لگا ہوا ملا ہے۔ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ بعینہٖ وہی خط مبارک ہے جو آپ ﷺ نے لکھوایا تھا۔ اس کے فوٹو عام طور سے ملتے ہیں، یہ

---

[1] آنحضرت ﷺ چونکہ پوری کائنات انسانی کے لیے تشریف لائے، اس لیے آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام اطراف واکنافِ عالم میں پہنچانے کے لیے صحابہ کرام کو مبلغ اور سفیر بنا کر بھیجا اور بے شمار ممالک اور قبائل کی طرف خطوط روانہ فرمائے۔

تاریخ نے ایسے دو اڑھائی سو خطوط محفوظ کیے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے حکمرانوں، سرداروں اور گورنروں کو روانہ فرمائے۔ ان میں سے پانچ مکتوباتِ اقدس بعینہٖ اصلی حالت میں دستیاب ہوئے ہیں۔ جو حبشہ کے بادشاہ، مصر کے حکمران، بحرین کے گورنر، قیصرِ روم کے نام، فارس کے بادشاہ خسرو پرویز کے نام ارسال فرمائے تھے۔ خسرو پرویز کے نام مکتوب نبوی ﷺ مئی ۱۹۶۳ء میں لبنان کے وزیرِ خارجہ ہنری فرعون کے آبائی ذخیرے سے دریافت ہوا۔ مصر کے بادشاہ کے نام لکھا گیا خط مبارک ترکی کے مشہور عجائب گھر توپ کاپی (Topkapi) میں محفوظ ہے۔

پرانے عربی خط میں ہے اور اس کی وہی عبارت ہے اور مہر میں نام کے وہی الفاظ اور صورت تحریر ہے جس طرح حدیث میں بیان آتا ہے۔ یہ اسلامی روایات کی صداقت کی کتنی بڑی دلیل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں۔ مجھ سے زیادہ ان کے پاس حدیثوں کا سرمایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ سنتے اس کو لکھتے جاتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔[1]

ابو داؤد اور مسند احمد ابن حنبل میں ہے کہ بعض لوگوں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں کبھی خوش رہتے ہیں اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ''تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے۔''[2]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے اس مجموعہ کا نام ''صادقہ'' رکھا تھا[3]۔ اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنی زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کر دی ہے جن میں ایک یہ صادقہ ہے اور صادقہ وہ صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر لکھا ہے۔[4]

مجاہد کہتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ صحابی کے پاس ایک کتاب رکھی دیکھی، دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ صادقہ ہے جس کو میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، جس میں میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی دوسرا نہیں ہے[5]۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ آنے کے کچھ مدت بعد مسلمانوں کی مردم شماری کرائی اور ان کے نام لکھوائے تو پندرہ سو ہوئے (باب الجہاد) زکوۃ کے احکام مختلف چیزوں پر زکوۃ کی مختلف شرحیں

---

[1] بخاري: كتاب العلم۔

[2] ابو داؤد: ج2،ص77

[3] ابن سعد: ج2،ص125

[4] دارمي،ص69

[5] ابن سعد: ۱۲۵۔

جو پورے دو صفحوں میں ہیں ان کو لکھوا کر آنحضرت ﷺ نے امراء کو بھیجا تھا اور وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس، ابو بکر بن عمرو رضی اللہ عنہ بن حزم رضی اللہ عنہ کے خاندان میں اور متعدد اشخاص کے پاس موجود تھیں [1]۔ زکوٰۃ کے محصلین کے پاس دیگر تحریری ہدایتیں بھی موجود تھیں۔ [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جو ان کی تلوار کے نیام میں پڑا رہتا تھا اس میں متعدد حدیثیں متعلقہ احکام قلمبند تھیں اور انہوں نے اس کو لوگوں کی درخواست پر دکھایا [3]۔ حدیبیہ میں جو صلح نامہ آنحضرت ﷺ اور کفارِ قریش کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا اس کی ایک نقل قریش نے لے لی اور ایک آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس رکھی [4]۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا کر حوالہ کی جس میں فرائض، صدقات اور دیات وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتیں تھیں۔ [5]

عبداللہ بن الحکیم رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا نامہ پہنچا جس میں مردہ جانور کے متعلق حکم درج تھا [6]۔ وائل بن حجر صحابی رضی اللہ عنہ جب بارگاہ نبوی ﷺ سے اپنے وطن حضر موت جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو خاص طور پر ایک نامہ لکھوا کر دیا جس میں نماز روزہ، ربٰو، شراب اور دیگر احکام تھے [7]۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو کیا دلایا؟ ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا "مجھے معلوم ہے آنحضرت ﷺ نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا۔" [8]

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہدِ خلافت (۹۹ سے ۱۰۱ ہجری) میں آنحضرت

---

[1] دارقطنی: کتاب الزکوٰۃ209-

[2] دارقطنی: 209

[3] بخاری:، 2، ص:1084۔

[4] ابن سعد مغازی: ص71

[5] کنز العمال: 3 ص186

[6] معجم صغیر طبرانی: ص:217

[7] طبرانی صغیر: 242

[8] دارقطنی: 2ص485

ﷺ کے فرمان۔۔۔ متعلق صدقات کی تلاش کے لیے اہل مدینہ کے پاس قاصد بھیجا تو آلِ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ہاں مل گیا[1] ۔۔۔ آپ نے اہل یمن کو جو احکام لکھوا کر بھجوائے تھے ان میں یہ مسئلے تھے قرآن صرف پاکی کی حالت میں چھوا جائے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہیں کیا جا سکتا اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں[2] ۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے لکھ کر غالباً اہل یمن سے یہ دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپ ﷺ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں[3] ۔ مروان نے خطبہ میں بیان کیا کہ مکہ حرم ہے، رافع بن خدیج صحابی نے پکار کر کہا کہ ! اور مدینہ بھی حرم ہے اور یہ حکم میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے۔ اگر تم چاہو تو میں اس کو پڑھ کر سناؤں[4] ۔ ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر صحابی کو لکھا کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ کے سوا اور کون سی سورہ پڑھتے تھے ؟ انہوں نے جواب لکھا کہ ﴿هل اتاک﴾ پڑھتے تھے[5] ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن فرقد کو خط لکھا کہ آنحضرت ﷺ نے حریر پہننے سے منع فرمایا ہے۔[6]

یہ وہ احکام و مسائل ہیں جو آنحضرت ﷺ نے مختلف لوگوں کو لکھا دیے یا بھجوائے۔ ہمارے پاس ایسے شواہد بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ احکام و سنن کو کتابی صورت میں لائے یا لانا چاہا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک مجموعہ اپنے زمانہ خلافت میں مرتب کیا، پھر اس کو پسند نہ کیا اور مٹا دیا[7] ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ پر اپنے زمانہ خلافت میں غور کیا اور بہت کچھ سوچتے رہے مگر پھر ہمت نہ کی۔ ابھی آپ سن چکے ہیں کہ حضرت

---

[1] دارقطني: 451
[2] دارمي: ص293
[3] دارقطني: ص45
[4] ابن حنبل: ج4، ص141
[5] مسلم: 323
[6] مسلم: ج2، ص307
[7] تذكرة الحفاظ

عبداللہ بن عمرو نے خود آنحضرت ﷺ کی اجازت سے ایک نسخہ لکھا تھا جس میں آپ ﷺ کے ملفوظات تھے مختلف لوگ اس کو دیکھنے آتے تھے اور وہ اس کو دکھاتے تھے[1]۔ حضرت علی کے فتاویٰ کا بڑا حصہ لکھا ہوا حضرت عباس کی خدمت میں لایا گیا[2]۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایتوں کے مختلف تحریری مجموعے تھے۔ اہلِ طائف میں سے کچھ لوگ انکا ایک مجموعہ ان کو پڑھ کر سنانے کے لیے لائے[3]۔ سعید بن جبیر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے[4]۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا صحیفہ صادقہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھا[5]۔ اور یہ بے چارے اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ وہ اپنے دادا کی کتاب دیکھ کر روایت کرتے ہیں خود حافظ نہیں ہیں[6]۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا مجموعہ وہب تابعی نے تیار کیا تھا جو اسماعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا اور وہ اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے[7]۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایتوں کا دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس شکری نے تیار کیا تھا اور ابوالزبیر ،ابوسفیان اور شعبی نے جو ائمہ حدیث میں ہیں اور تابعی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے صحیفہ کو ان سے سنا تھا[8] سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ صحابی سے ان کے بیٹے سلیمان روایتوں کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے بیٹے حبیب[9] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جن سے زیادہ صحابہ میں کوئی حافظ حدیث نہ تھا، ان کی روایتوں کا کچھ مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار کیا تھا جو "صحیفہ ہمام" کے نام سے

---

[1] ترمذی:586
[2] مسلم مقدمہ
[3] کتاب العلل: ترمذی،ص691
[4] دارمی 69
[5] ترمذی:113
[6] تھذیب: 8-49
[7] تھذیب:ج1،ص362
[8] تھذیب:ج6،ص211
[9] تھذیب التھذیب: 4-198

احادیث میں مشہور ہے اس کو امام حنبل نے مسند جلد ۲ میں صفحہ ۲۱۲ سے صفحہ ۳۱۸ تک نقل کیا ہے۔ بشیر ابن نہیک نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کی روایتوں کا مجموعہ لکھا اور پھر اس کی روایت کی ان سے اجازت لے لی[1]۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ایک صاحب کو اپنے مستقر پر بلا کر لائے اور دکھایا کہ یہ اوراق میرے مرویات ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ کے نہیں بلکہ کسی اور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے[2]۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ دوسرے صحابی ہیں جن سے بکثرت روایتیں ہیں۔ وہ خود اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے کہ "میرے بچو! علم کو تحریر کی قید و بند میں لاؤ۔"[3]

حضرت ابان ان کے شاگرد ان کے سامنے بیٹھ کر ان کی روایتیں قیدِ تحریر میں لایا کرتے تھے[4]۔ سلمٰی ایک خاتون کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ابو رافع آنحضرت ﷺ کے غلام سے آنحضرت ﷺ کے کارنامے لکھا کرتے تھے[5]۔ واقدی سیرت نبوی کے ابتدائی مصنفین میں سے ایک سے بیان کرتا ہے کہ منذر بن ساوی رئیس عمان کے نام آنحضرت ﷺ نے جو خط بھیجا تھا وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی کتابوں کے ساتھ میں نے دیکھا[6]۔ غزوۂ بدر کا مفصل حال عروہ بن زبیر نے لکھ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا[7]۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے خادم خاص تھے اور ان کو آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا اذن عام تھا۔ ان کو شکایت تھی کہ لوگ میرے پاس آکر سن جاتے ہیں اور پھر اسکو جاکر لکھ لیتے ہیں اور میں قرآن کے سوا کسی اور چیز کے لکھنے کو

---

[1] کتاب العلل، ترمذی 691
[2] فتح الباری، ج1، ص184، 185
[3] دارمی 68
[4] دارمی: 68
[5] ابن سعد: 2، ص123
[6] زادالمعاد: 572
[7] طبری: 285

حلال نہیں جانتا[1]۔ سعید بن جبیر تابعی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رات کو روایتیں سنتا تھا تو پالان پر لکھتا تھا، صبح کو پھر میں اس کو صاف کر لیتا تھا[2]۔ نافع جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تیس برس رہے تھے وہ اپنے سامنے لوگوں کو لکھوایا کرتے تھے[3]۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمن ایک کتاب نکال لائے اور قسم کھا کر کہا کہ یہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے[4]۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں میں بعض باتوں میں اختلاف ہوتا تھا تو ان کو لکھتے تھے، پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس یادداشت کو چھپا کر لاتے تھے، ان سے پوچھتے تھے، اگر ان کو اس کا پتہ چل جاتا تو بس ہمارے ان کے درمیان فیصلہ ہی تھا[5]۔

اسود تابعی کہتے ہیں کہ مجھ کو اور علقمہ کو ایک صحیفہ مل گیا، اس کو لے کر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے پاس آئے تو انہوں نے مٹا دیا[6]۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے ان کو بھی روایتوں کو تحریر میں لانے سے انکار تھا تو مروان نے یہ تدبیر کی کہ ان کو سامنے بٹھایا اور پردہ کے پیچھے کاتب مقرر کیے کہ وہ جو بولتے جائیں یہ لکھتے جائیں[7]۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو ایک حدیث اسی طرح لکھوائی تھی لیکن وہ تاڑ گئے اور زبردستی مٹوا دی۔[8]

حضرات! شاید آپ ٹھوس واقعات اور اشخاص کے نام سنتے سنتے گھبرا اٹھے ہوں لیکن اطمینان رکھیے کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے صاف اور سیدھا راستہ نظر آ رہا

---

[1] دارمی: 67

[2] دارمی: 67

[3] دارمی: 67

[4] جامع: 17

[5] جامع: 33

[6] جامع: 33

[7] جامع: 33

[8] احمد: 5، ص182

ہے۔ میں نے ان اقتباسات اور حوالوں میں یہ دکھایا ہے کہ تحریری سرمایہ ہی اگر دنیا میں قابل وثوق ہو سکتا ہے تو خود عہدِ نبوی ﷺ میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے ہاتھوں سے اس کو جمع کیا اور پچھلوں کے لیے یادگار چھوڑا اور پچھلوں نے اپنی کتابوں میں داخل کر لیا۔ اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہ ہی کی زندگی میں تابعین نے تمام مرویات وواقعات اور حالات کو ایک ایک سے پوچھ کر، ایک ایک کے دروازے پر جا کر بوڑھے، جوان، عورت، مرد سب سے تحقیق کر کے ہمارے لیے فراہم کر دیا تھا۔ محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابو الزناد رحمہم اللہ وغیرہ سینکڑوں تابعین ہیں جنہوں نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا اور ہمارے سامنے اس کا انبار لگا دیا۔ شہاب زہری نے جو حدیث و سیرت کے بڑے امام ہیں آنحضرت ﷺ کی ایک ایک چیز کو لکھا، ابو الزناد کہتے ہیں کہ ہم صرف حلال و حرام لکھتے رہتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے [1]۔ ابن کیسان کہتے ہیں کہ میں اور زہری طلب علم میں ساتھ تھے، میں نے کہا کہ میں سنن لکھوں گا، چنانچہ جو کچھ آنحضرت ﷺ سے متعلق تھا سب لکھا، زہری نے کہا کہ صحابہ سے جو کچھ متعلق ہے وہ بھی لکھو کہ وہ بھی سنت ہے، میں نے کہا کہ وہ سنت نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے نہیں لکھا۔ انہوں نے لکھا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوئے اور میں برباد ہو گیا [2]۔ ان امور کو قیدِ تحریر میں لانے والے سینکڑوں تابعی تھے۔ جن میں سے ایک امام زہری ہیں، صرف ان کی تحریروں کا انبار اتنا تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے دفتر جانوروں پر بار کر کے خزانے سے لائے گئے۔

امام زہری ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴ھ میں وفات پائی، وہ نسباً قریشی تھے۔ انہوں نے جس محنت اور کاوش اور استقصاء سے آنحضرت ﷺ کے حالات و اقوال جمع کیے اس کا اندازہ مؤرخین کے اس بیان سے کرو کہ ”وہ مدینہ منورہ کے ایک ایک انصار کے گھر جا کر، جوان، بوڑھے، عورت، مرد جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جا کر آنحضرت

---

[1] جامع:37

[2] ابن سعد:2قسم2،ص135

ﷺ کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلم بند کرتے۔[1]

اس زمانہ میں بکثرت صحابہ زندہ تھے زہری کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے اور یہ کل کے کل شب و روز آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال اور احوال کی جمع اور ترتیب، تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت میں مشغول رہتے تھے۔ یہی ان کی زندگی کا کام تھا، اس کے سوا دنیا کے ہر کام سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے۔

غلط فہمی کا بڑا سبب یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث و سیر کی تدوین و تحریر کا کام تابعین نے شروع کیا اور تابعین ان کو کہتے ہیں جنھوں نے صحابہ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا اور صحابہ کا زمانہ سو برس تک تقریباً رہا تو گویا تابعین کا عہد سو برس کے بعد شروع ہوا اور اس طرح گویا تدوین و تحریر کے سلسلہ کا آغاز سو برس بعد ہوا۔ حالانکہ یہ تمام تر غلط ہے۔ تابعین ان کو کہتے ہیں جنھوں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا اور صحابی کی زیارت کی اور ان سے مستفید ہوئے۔ عام اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آنحضرت کے زمانہ میں ہوں مگر زیارت کا موقع نہ ملا۔ یا عہد نبوی ﷺ کے آخر میں پیدا ہوئے، اس لیے آپ ﷺ سے فیض یاب نہ ہوئے یا آپ ﷺ کی وفات (ربیع الاول ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے، وہ سب تابعین میں داخل ہیں۔ اس طرح دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ تابعین کا عہد خود آپ ﷺ زندگی ہی میں اور کم سے کم یہ کہ ۱۱ ہجری سے شروع ہو گیا تھا اس لیے ۱۱ھ سے جو کام شروع ہوا اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ تابعین نے اس کام کا آغاز کیا۔ تابعین کا کارنامہ ہونے کے لیے ایک ایک صحابی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی ضرورت نہیں اور نہ سو برس کا زمانہ گزارنے کی حاجت ہے۔ وہ تو تابعین کا آخری عہد ہے جس کے بعد تابعین کے شرف کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے وجود کا خاتمہ ہو گیا جن کے دیدار کے شرف سے لوگ تابعی بنتے تھے۔ الغرض اس تفصیل سے ثابت ہو گا کہ یہ کہنا کس درجہ دھوکہ ہے کہ مسلمانوں میں اخبار و سیر کی ترتیب کا کام سو برس کے بعد شروع ہوا۔

---

[1] تھذیب ترجمہ زہری۔

مسلمانوں میں اخبار وسیر اور احکام وسنن کی ترتیب اور تدوین کے در حقیقت تین دور ہیں۔

❶ جب ہر شخص نے صرف اپنی ذاتی معلومات کو یکجا کیا۔

❷ دور وہ آیا جب ہر شہر کی معلومات ایک جگہ فراہم کی گئیں۔

❸ دور وہ تھا جب تمام دنیائے اسلام کی معلومات اکٹھی کی گئیں اور ان کو موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا۔

پہلا دور غالباً ۱۰۰ ہجری تک قائم رہا، دوسرا دور ۱۵۰ ہجری سے تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد تک رہا۔ پہلا دور صحابہ اور اکابر تابعین کا تھا۔ دوسرا دور تبع تابعین کا اور تیسرا دور امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ وغیرہ کا تھا۔ پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے اور تیسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور کی کتابوں میں کھپا دیا گیا ہے۔ دوسرے اور تیسرے دور کی کتابوں کا سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے اور دنیا کی تاریخ کا سب سے گراں بہا سرمایہ اور معتبر و مستند ذخیرہ ہے جس سے زیادہ مستند اور معتبر دنیا کی تاریخ کے خزانہ میں کوئی ذخیرہ نہیں۔

حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانی کے بقول:

> ”اس قسم کی زبانی روایتوں کے قلم بند کرنے کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آیا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلم بند کیے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کے نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتے۔ ان افواہوں میں سے وہ واقعات قلم بند اور انتخاب کر لیے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑے زمانے کے بعد یہی خرافات ایک انتہائی دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں۔ یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔“

لیکن مسلمانوں نے اس فنِ سیرت کا جو معیار قائم کیا وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک

واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریکِ واقعہ کے تمام درمیانی راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کیے جائیں اور اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ تھے؟ سطحی الذہن تھے؟ یا نکتہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا بھی سخت مشکل تھا لیکن سینکڑوں، ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے حالات و واقعات دریافت کیے، انہی تحقیقات کے ذریعے سے "اسماء الرجال" کا وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت کم از کم کئی لاکھ شخصیتوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔

یہ تو صرف روایت کے متعلق تھا، اصولِ تنقید اور روایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول و قواعد الگ ترتیب دیئے اور بتایا کہ کیونکر اس حیثیت سے روایتوں کی تصحیح یا تغلیط کی جاسکتی ہے۔ راویوں کی چھان بین اور تحقیق میں اس درجہ دیانت داری اور حق گوئی سے کام لیا کہ وہ واقعات آج اسلام کے مفاخر میں ہیں راویوں میں بڑے بڑے خلفاء اور امراء بھی تھے جن کی تلواروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی مگر محدثین نے نڈر ہو کر سب کی پردہ دری کی اور ان کو وہی درجہ دیا جو اس بارگاہ میں اس کو مل سکتا تھا۔

امام وکیع بڑے محدّث تھے لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے۔ یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس احتیاط اور حق پسندی کی کوئی حد ہے؟[1]

مسعودی رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں ۱۵۴ھ میں ایک امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ ان کو اپنی تحریری یادداشت کے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی[2]۔ یہی امام معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو ایک شخص نے

---

[1] تھذیب التھذیب، ج1، ص130

[2] ایضاً، ج2، ص211

دس ہزار دینار جس کی قیمت آج دس ہزار گنا سے زیادہ ہے صرف معاوضہ میں پیش کرنے چاہے کہ وہ ایک معتبر (عدل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں۔۔۔ یعنی خاموش رہیں، انہوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرادیا اور فرمایا کہ ”میں کسی بھی حق کو چھپا نہیں سکتا۔“[1]

کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط اور اس سے زیادہ دیانت داری کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ تمام کچا پکا، صحیح اور غلط، قوی اور ضعیف قابل قبول اور ناقابل قبول روایتوں کا انبار آج بھی دنیا کے سامنے ہے اور آج بھی انہی کے اصول کے مطابق ہر ایک واقعہ کی پوری تنقید کی جاسکتی ہے اور کھرے، کھوٹے کو الگ کیا جاسکتا ہے۔

حضرات! ان خشک تحقیقات میں میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔ آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا تاریخی پہلو اب بڑی حد تک سامنے آگیا ہوگا۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے حالات اور واقعات کا جو سرمایہ فراہم ہوا، اس کے کیا کیا ماخذ قرار پائے اور اس کو کس کس طرح ترتیب دیا گیا۔ سیرتِ مبارکہ کا سب سے اہم سب سے مستند، سب سے زیادہ صحیح تو وہ حصہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے جس کی صحت اور معتبری میں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء۔۔۔ قبل نبوت کی زندگی، یتیمی، غربت، تلاشِ حق، نبوت، وحی، اعلان و تبلیغ، معراج، مخالفین کی دشمنی، ہجرت، لڑائیاں، وقائع اخلاق، اس میں موجود ہیں اور اس سے زیادہ معتبر تاریخ سیرت دنیا کے پردہ پر کوئی موجود نہیں ہے۔

❷ دوسرا ماخذ احادیث ہیں جو ایک لاکھ کے قریب ہیں، جن میں صحیح الگ، کمزور الگ اور جعلی الگ ہیں۔ صحاح ستہ کا سرمایہ ہے جس کا ایک ایک واقعہ تولا اور پرکھا ہوا ہے۔ مسانید ہیں جن میں سب سے ضخیم امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند ہے جو چھ جلدوں میں ہے اور ان میں

---

[1] ایضاً ، ج6،ص431

سے ہر جلد کی ضخامت مصر کے باریک صفحہ کے ٹائپ میں پانچ پانچ سو صفحوں سے کم نہ ہوگی۔ اس میں ایک ایک صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں۔ ان مجموعوں میں آنحضرت ﷺ کے حالات اور تعلیمات سب کچھ ملے جلے ہیں۔

3 تیسرا ماخذ مغازی ہیں، یعنی وہ کتابیں جن میں سے زیادہ آنحضرت ﷺ کے صرف غزوات اور لڑائیوں کا حال اور ضمناً اور واقعات بھی موجود ہیں۔ ان میں مغازی عروہ بن زبیر (المتوفی ۸۴ھ)، مغازی زہری (المتوفی ۱۲۴ھ)، مغازی موسیٰ ابن عقبہ (المتوفی ۱۴۱ھ)، مغازی ابن اسحاق (المتوفی ۱۵۰ھ)، مغازی زیاد بکائی (المتوفی ۱۸۳ھ)، مغازی واقدی (المتوفی ۲۰۷ھ) وغیرہ قدیم ہیں۔

4 چوتھا ماخذ عام تاریخ کی کتابیں ہیں۔ جن کا پہلا حصہ خاص آنحضرت ﷺ کے سوانح پر ہے۔ ان میں سب سے زیادہ معتبر اور مبسوط طبقات ابن سعد اور تاریخ الرسل والملوک ابو جعفر طبری، تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری، تاریخ ابن حبان اور تاریخ ابن ابی خثیمہ بغدادی (المتوفی ۲۹۹) وغیرہ ہیں۔

5 آنحضرت ﷺ کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ دفتر ہے جن کو ”کتب دلائل“ کہتے ہیں۔ مثلاً دلائل النبوۃ ابن قتیبہ (المتوفی ۲۷۶ھ)، دلائل النبوۃ ابو اسحاق حربی (المتوفی ۲۵۵ھ)، دلائل امام بیہقی (المتوفی ۴۲۰ھ) دلائل ابو نعیم اصفہانی (المتوفی ۴۳۰ھ)، دلائل مستغفری (المتوفی ۴۳۲ھ)، دلائل ابو القاسم اسماعیل اصفہانی (المتوفی ۵۳۵ھ) اور سب سے زیادہ مبسوط کتاب اس فن میں امام سیوطی کی خصائصِ کبریٰ ہے۔

6 چھٹا ماخذ کتب شمائل ہیں۔ یعنی وہ کتابیں جو آنحضرت ﷺ کے صرف اخلاق و عادات اور فضائل و معمولاتِ زندگی پر لکھی گئی ہیں ان میں سب سے پہلی اور سب سے مشہور کتاب امام ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ) کی کتاب الشمائل ہے جس کی بڑے بڑے علماء نے بیسیوں شرحیں لکھیں ہیں اور سب سے ضخیم کتاب اس فن کی کتاب الشفافی حقوق المصطفیٰ قاضی عیاض کی اور اس کی شرح ”نسیم الریاض“ شہاب خفاجی کی ہے۔ اسی فن کی دوسری کتابیں

شمائل النبی ابو العباس مستغفری (المتوفی ۴۳۲ھ) اور شمائل النور الساطع، ابن المقری غرناطی (المتوفی ۵۵۲ھ) اور سفر العادۃ مجد الدین فیروز آبادی (المتوفی ۸۱۷ھ) کی ہیں۔

اس سے الگ وہ کتاب ہیں جو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے حالات میں لکھی گئی ہیں جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے مقامی حالات اور ان مقامات کے نام و نشان ہیں جن کو آنحضرت ﷺ سے کوئی تعلق ہے اس قسم کی کتابوں میں سب سے قدیم اخبار مکہ الازرقی المتوفی ۲۲۳ھ، اخبارِ مدینہ عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ، اخبار مکہ فاکہی، اخبار مدینہ ابن زبالہ وغیرہ ہیں۔

حضرات! میں نے سیرتِ مبارکہ کے تاریخی سرمایہ کا جو نقشہ آپ کے سامنے آج کے خطبہ میں پیش کیا ہے اس سے موافق اور مخالف ہر ایک کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ سیرتِ محمدی ﷺ کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ صرف اس زبانی حفظ اور تحریری یادداشت پر محدثینِ سلف اور خلفائے اسلام نے قناعت نہیں کی بلکہ اس فن کے اماموں کے لیے مغازی کی تعلیم کی غرض سے درس گاہوں اور مسجدوں میں حلقے قائم کیے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ انصاری صحابی تھے، ان کے پوتے عاصم بن عمر جو مغازی کے امام تھے اور جنہوں نے ۱۲۱ھ میں وفات پائی ہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے پایہ تخت دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھ کر اس کا درس دیتے تھے۔[1]

غرض آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں، ہر ملک میں، ہر زبان میں، آپ ﷺ کے واقعات، حالات اور ارشادات میں جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان کا اندازہ کئی ہزار سے زیادہ ہوگا۔ اردو کا تحریری ذخیرہ سو دو سو برس سے زیادہ نہیں اس میں بھی ٹھوس تصنیف کا عہد ۱۸۵۷ء کے پس و پیش سے شروع ہوتا ہے۔ تاہم اس وقت تک کئی سو چھوٹی بڑی کتابیں اس موضوع پر اس میں لکھی جا چکی ہیں۔

مسلمانوں کو چھوڑو کہ ان کا تو دین و ایمان ہی اس سرکارِ ﷺ کی عقیدت و غلامی ہے

---

[1] التهذيب

دشمنوں کے کیمپوں میں آؤ۔۔ ہندوستان میں ہندوؤں نے، سکھوں نے عیسائیوں نے، برہموں سماجیوں نے آپ ﷺ کی سیرتیں لکھی ہیں، یورپ جس کو سرور کائنات ﷺ کے ساتھ عقیدت نہیں وہاں بھی مشنری کی خدمت کے لیے یا علمی ذوق یا تاریخ عالم کی تکمیل کے لیے لائف آف محمد ﷺ پر کتابیں لکھی گئیں۔ آج سے غالباً سولہ سترہ برس قبل دمشق کے ایک علمی رسالہ ''المقبتس'' میں شمارہ چھپا تھا کہ اس وقت تک یورپ کی مختلف زبانوں میں پیغمبرِ اسلام کے متعلق تیرہ سو کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ اس کے بعد اس عہد کی اور کتابوں کو ملاؤ تو یہ شمار کہاں تک پہنچے گا؟

انگریزی زبان میں پروفیسر مارگیولیوتھ (D.S Marholiouth) جو اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر ہیں، کی کتاب محمد ﷺ سے جو ۱۹۰۵ میں ہیروز آف دی نیشنس کے سلسلہ میں چھپی ہے، زیادہ زہریلی کتاب کوئی سیرتِ نبوی ﷺ پر انگریزی میں نہیں لکھی گئی۔ اس میں اس شخص نے ہر واقعہ کے متعلق انتہائی سند بہم پہنچا کر اس کو بگاڑ کر دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ تاہم وہ اپنے مقدمہ میں اس حقیقت کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا:

> ''محمد ﷺ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت ہے۔''
>
> "The boigraphers of the prphet Muhammad from a long series, it is impossible to end but in which it would be honourable to find a place."

جان ڈیون پوٹ صاحب نے ۱۸۷۰ء میں انگریزی میں سب سے زیادہ ہمدردانہ کتاب ''اپالوجی فار محمد ﷺ اینڈ دی قرآن'' لکھی ہے۔ اس کتاب کو وہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں۔

> ''اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع عمری محمد ﷺ کے وقائع عمری سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔''

ریورنڈ باسورتھ اسمتھ (Bosworth Smith) فیلو آف ٹرینٹی کالج اوکسفورڈ نے

۱۸۷۴ء میں ”محمد اینڈ محمڈ نزم“ کے نام سے رائل انسٹیٹیوشن آف گریٹ برٹین میں جو لیکچر دیئے تھے اور جو کتاب کی صورت میں چھپے ہیں اس میں ریورنڈ موصوف نے نہایت خوبی سے کہا ہے:

”جو کچھ عام طور سے مذہب کی (ابتداء نا معلوم ہونے کی) نسبت صحیح ہے وہی بد قسمتی سے ان تین مذہبوں اور اس کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے جن کو ہم کسی بہتر نام، موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں۔ ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم اور ان کی نسبت جنہوں نے ان کی محنتوں میں اپنی محنتیں ملائیں شاید زیادہ جانتے ہیں۔ ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں۔ موسیٰ اور بدھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم ایمبروس (Ambrase) اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں۔ ہم درحقیقت مسیح کی زندگی میں سے ایک ٹکڑا جانتے ہیں۔ ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے؟ جس نے تیس سال کے لیے راستہ تیار کیا جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے اور شاید اور بہت زیادہ کرے۔۔۔ ایک ”آئیڈیل لائف“ جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی، ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی، لیکن اس کا کتنا ہی حصہ جو ہم جانتے ہی نہیں، ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی، ان کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی یا یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے۔ یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے، ہم تاریخ رکھتے ہیں، ہم محمد ﷺ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لیوترا اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ میتھالوجی اور فری افسانے اور مافوق الفطرت واقعات، ابتدائی عربی مصنفین میں نہیں یا اگر ہیں تو آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کیے جا سکتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکہ دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔[1]

---

[1] ص: 14، 15، 1889ء

آنحضرت ﷺ کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کتاب دوسرے انبیاء کی سیرتوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف، زیادہ معتبر اور زیادہ تاریخی ہے، سیرت اور اخبار نبوی ﷺ کی ابتدائی کتابیں، ہر مصنف سے سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے سن پر اور پڑھ کر اور ان کا ہر لفظ سمجھ کر دوسروں تک پہنچائیں۔ حدیث کی پہلی کتاب مؤطا کو اس کے مصنف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ۶۰۰ آدمیوں نے سنا۔ جن میں سلاطینِ زمانہ، علماء، فقہا، حکماء، ادباء اور صوفیا ہر طبقہ کے آدمی تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف جامع صحیح کو صرف ان کے ایک شاگرد فربری سے ساٹھ ہزار آدمیوں نے سنا۔ اس احتیاط، اس اسناد اور اس اہتمام سے بتا کس شارع یا بانئ دین کی سیرت واخبار کا مجموعہ مرتب ہوا اور یہ تاریخیت آنحضرت ﷺ کے سوا کس کے حصہ میں آئی ؟

اعتذار

سہ ماہی البیان کی ”جدید معیشت و تجارت“ پر خصوصی اشاعت میں تاخیر

مجلۃ البیان کی ٹیم قارئین کرام سے انتہائی معذرت خواہ ہے کہ گذشتہ شماروں میں البیان کی اکتوبر کی اشاعت میں معیشت و تجارت پر ایک خاص نمبر لانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر اور اس خاص اشاعت کو قارئین کیلئے مزید معیاری و مفید، بنانے کیلئے آئندہ شمارے تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔

اب یہ خصوصی اشاعت جنوری کے مہینے میں منظر عام پر لائی جائے گی۔ انشاءاللہ

(ادارہ)

عقیدہ و منہج

محبت رسول ﷺ کا مقام و مرتبہ اور آپ ﷺ سے محبت کرنے کا شرعی طریقہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ [1]

إن الحمد لله نحمده ، و نستعينه ، ونستغفره ، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ، ومن سيئات أعمالنا. من يهده الله فلا مضل له ، ومن يضلل فلا هادي له ، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له .وأ شهد أ ن محمداً عبدُه و رسولُه [. يَاأَيها الذين آ مَنُوا اتقُوا اللهَ حَق تُقَا ته ولاتموتن إلا وأنتم مُسلمُون]

[يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْس وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَتَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً .]

[يَا أ يها الذين آ منوا اتقوا الله وقولوا قَو لاً سَديداً يُصلح لَكُم أَعما لكم وَ يَغفر لَكُم ذُ نو بَكُم وَ مَن يُطع الله وَ رَسُولَهُ فَقَد فَازَ فَوزاً عَظيماً]أما بعد ، فإن خير الحديث كتاب الله ، وخير الهدي هدي محمد ، وشر الأمور محدثاتها ، وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار .

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ

[1] مشرف العام المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

بِالْعِبَادِ﴾[1]

"جس دن ہر نفس (شخص) اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا، آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت سی دوری ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے"۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[2]

"کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے"۔

(گذشتہ دنوں جمعۃ المبارک کا) دن ہماری حکومت نے یوم عشق رسول ﷺ کے نام سے منایا۔ یہاں " عشق " کے جملے کی اصلاح ضروری ہے۔اول بات تو یہ کہ لفظِ "عشق" رسول اللہ ﷺ کے شایان شان نہیں ہے۔ یہاں " عشق " کے لفظ کے بجائے وہ لفظ استعمال کیا جانا چاہیئے جو لفظ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے استعمال کیا اور وہ لفظ "محبت " ہے۔ کیونکہ لفظِ عشق میں کسی حد تک دیوانگی و جنون کا معنی پایا جاتا ہے، جبکہ لفظِ محبت انتہائی پاکیزہ نام ہے۔ کتاب و سنت میں لفظِ "عشق" کہیں استعمال نہیں ہوا۔ ہاں لفظ محبت کا استعمال بیسیوں مقامات پر موجود ہے۔ ہمیں بھی وہی لفظ استعمال کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے استعمال کیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہم اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ مومن کی زندگی کا ہر دن محبت رسول ﷺ کا دن ہے اس کے لیے کسی مخصوص دن کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ رسول ﷺ سے محبت ہمارا سرمایہ حیات،اور امت مسلمہ کا وہ اساسہ ہے جو آج گم ہو چکا ہے۔ محبتِ رسول

---

[1] آل عمران:30

[2] آل عمران:31

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر روز، ہر گھڑی، ہر آن، ہر لحظہ وہر سانس کے ساتھ ضرورت ہے۔ کیونکہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اسی محبت کے ساتھ منسلک ہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو ایمان قرار دیا ہے۔ اور عدمِ محبت کو ایمان کی نفی قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''[1]

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی محبت کرو کہ ماں باپ، والدین اولاد کے برابر تو بھی ایمان کی نفی ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کائنات کے ہر فرد سے بڑھ کر ہو، اسے ہی اللہ تعالیٰ نے ایمان قرار دیا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہمارے عقیدہ وایمان کا حصہ ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو سکتا، اور جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت تو کرتا ہے مگر وہ محبت کائنات کے کسی شخص کی محبت سے کم ہے، وہ بھی مومن نہیں۔ اور جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے مگر اس کی محبت کائنات کے کسی شخص کی محبت کے برابر ہو وہ بھی مومن نہیں ہو سکتا۔ مومن وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی محبت کرے کہ وہ محبت کائنات کی ہر محبت پر غالب ہو اور دنیا کی کسی بھی محبت سے بڑھ کر ہو۔ مذکورہ بالا حدیث میں صرف اپنے نفس و اپنی جان سے محبت کا ذکر نہیں ہے، اس کا ذکر بھی ایک اور حدیث میں موجود ہے۔ یہ دین کامل و مکمل دین ہے اس میں ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اپنی جان کی محبت سے بھی زیادہ ہو، عزیز ہونی چاہیئے، امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اپنی محبت کا اظہار کیا اور فرمایا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ بجز میری جان کے تمام چیزوں سے زیادہ مجھ کو محبوب ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (تمہارا ایمان کامل نہیں) جب تک کہ میں تمہاری جان سے زیادہ تمہیں محبوب نہ ہوں، جناب عمر رضی

---

[1] صحیح البخاری و صحیح مسلم

اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اب اللہ کی قسم آپ مجھ کو میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب اے عمر (تیرا ایمان کامل ہو گیا)۔

تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنی جان سے زیادہ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ دراصل عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے علم کے مطابق بات کی اس وقت تک انہیں اتنا ہی معلوم تھا، یقینی بات ہے وہ اور آج اس تعلق سے علم حاصل ہو گیا، زبان نبوت سے علم پہنچ گیا کہ اپنی جان سے بڑھ کر نبی ﷺ سے محبت کرنی ہے۔ امیر عمر رضی اللہ عنہ کچھ دیر سکتہ میں آ گئے، لیکن پھر فوراً فرمایا کہ: "أنت أحب الي من نفسي" کہ یا رسول ﷺ! اب یہ میرا عقیدہ بن چکا ہے کہ آپ ﷺ میری جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہیں۔ فرمایا (الآن یا عمر) کہ اے عمر! اب بات درست ہوئی یہ ایمان کی بات ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر ﷺ سے محبت اپنی جان کی محبت سے بھی بڑھ کر ہونی چاہیے کہ اگر ایسا وقت آ جائے کہ نبی ﷺ کی عزت پر، آپ ﷺ کی حرمت پر، آپ ﷺ کے دین پر، آپ ﷺ کی سنت پر، آپ ﷺ کے عقیدے پر، آپ ﷺ کی بیان کردہ توحید پر جان کی قربانی پیش کرنی پڑے تو پیش کر دو۔ نبی ﷺ کی عزت و حرمت پر ہر چیز قربان ہے، یہ محبت کے تعلق سے ہم اہل الحدیث کا عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ کی بات کسی دن کے تعین کی محتاج نہیں ہے۔ یہ محبت تو ہر لحظہ کا ہمارا اساسہ ہے، قرآن پاک میں یہ سب سے زیادہ امید افزا آیت آیت محبت ہے اس کو پڑھ کر امیدیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ جاگ اٹھتی ہیں۔ وہ آیتِ محبت ہی ہے جس میں پیغمبر ﷺ کی اتباع کا ذکر ہے یہ دین محبتِ رسول ﷺ کا دین ہے، اور محبتِ رسول خالصتاً آپ ﷺ کی اتباع کا نام ہے۔ اتباع رسول بھی ہمارا اساسہ اور سرمایہ ہے، اس کے بیش بہا ثمرات و فوائد ہیں۔ صحیح بخاری میں نبی ﷺ کی حدیث ہے: "جس آدمی میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہو گا، اول یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرا یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لیے ہو۔ تیسرا یہ کہ جب اسے اللہ نے کفر کے

اندھیرے سے نکال کر ایمان واسلام کی روشنی سے نواز دیا ہے تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو" ۔ تین چیزیں جس شخص میں پیدا ہو گئیں اس نے ایمان کی حلاوت و مٹھاس کو پالیا۔ ایمان ایک انتہائی میٹھی حقیقت ہے، اس میں حلاوت ہے، مٹھاس ہے، اور یہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہے۔ صرف اس کو نصیب ہوگی جس میں یہ تین چیزیں پیدا ہو گئیں۔ [1]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس شخص کے نزدیک دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر محبوب ہو جائیں۔ سب سے زیادہ اس کے دل میں محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہو، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا معیار برابر ہے۔ ہر گز نہیں اللہ ہمارا خالق و مالک ہے اصل محبت کا مرکز اللہ رب العزت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [2] ترجمہ: "جو لوگ ایمان لے آئے وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں" ۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت مساوی نہیں ہے۔ اصل محبت اللہ کے لیے ہے، یہ ایک عبادت ہے اور عبادت کا مستحق اللہ رب العزت ہے۔ اللہ کے علاوہ ہم جس سے بھی محبت کریں گے تو اس لیے کریں گے کہ اس سے اللہ کو محبت ہے۔ اگر اللہ رب العزت کے پیارے پیغمبر ﷺ سے محبت کرتے ہیں تو اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے، اور اللہ کو رسول ﷺ سے محبت ہے۔ نبی علیہ السلام کی صفات میں آپ کا ایک نام حبیب اللہ (اللہ کا محبوب)، خلیل اللہ (اللہ کا دوست) ہے۔ تو اللہ کے پیارے پیغمبر ﷺ سے محبت اللہ کی محبت کی بنا پر۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اس پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبت محمد رسول ﷺ سے ہے، یہ حلاوت ایمانی اللہ اور اس کے رسول (اور اس کے نزدیک) ہر شئے سے زیادہ محبوب ہو جائے۔"وأن يحب المرء لا يحبه إلا لله" [3] اور اگر

---

[1] صحیح البخاری و صحیح مسلم

[2] البقرۃ:165

[3] صحیح بخاری

کسی شخص کو محبوب بنائیں تو چاہے وہ ایک ہو، یا ایک سے زائد چاہے سو ہی کیوں نہ ہوں انہیں ان سے اللہ کے لئے محبت کرنی ہے اس میں کوئی اور دنیاداری کا مطمع نظر نہ ہو۔ بس اللہ کے لیے اللہ کے دین کے لیے محبت کرنی ہے۔

اور تیسری چیز یہ ہے کہ:

"وأن يكره أن يعود في الكفر كما يكره أن يقذف في النار"[1]

کہ کفر کی کوئی بھی چیز ہو اس کا اختیار کرنا اتنا ناپسند ہو جتنا آگ میں جانا ناپسند ہوتا ہے۔ کوئی شخص چاہے گا کہ مجھے آگ میں ڈال دیا جائے، اور یہاں آگ کا ذکر عمومی پیرائے میں ہے جہنم کی آگ بھی ہو سکتی ہے۔ کون جہنم میں جانا چاہتا ہے۔ فرمایا کہ جس طرح آگ میں جانا ناپسند ہے اس طرح کفر کو ناپسند کرو، کفر کے خصائل، کفر کی ثقافتوں کو ناپسند کرو، جو کفر کے بڑے بڑے ہیرو ہیں انہیں ناپسند کرو کیا کوئی جواز ہے ان سے محبت کا، ان کے فوٹو اپنے جسم کے ساتھ چپکانے کا اور اپنے مراکز میں آویزاں کرنے کا؟ (اے مسلمانوں) تمہارے اندر غیرت ہونی چاہیے کہ کفر کی ثقافت، کفر کے کلچر سے اس قدر ناپسندیدگی ہو، جتنی تمہارے دل میں جہنم کی ناپسندیدگی ہے۔ یہ چیزیں پیدا کرو اللہ رب العزت تمہارے دلوں کو حلاوت ایمانی سے بھر دے گا اور یہ حلاوت اگر پیدا ہو جائے تو ہر چیز میں آپ کو لذت محسوس ہو گی، عبادت کو دل چاہے گا۔ اذان ہو اور دل تنگ ہو کہ نماز پڑھنی پڑے گی، کچھ لوگ تو ادھر ادھر غائب ہو جاتے ہیں کہ نماز نہ پڑھنی پڑے وجہ یہ ہے کہ دل حلاوتِ ایمانی سے خالی ہے، اس چیز کا احساس ہی نہیں کہ نماز نہ پڑھنا کفر ہے، نماز نہ پڑھنے والا ایک نماز کے ترک سے کافر ہو جاتا ہے۔ بھلا کافر کیلئے نجات کی کوئی صورت ہے؟ دنیا کی زندگی دس سال، بیس سال، سو سال گذار لے گا اور آگے چل کر جہنم کی دائمی آگ اور عذاب! کس قدر یہ انسان گھاٹے کا سودہ کر رہا ہے۔ دیکھیں محبت کتنا بڑا سرمایا ہے اس سے حلاوت ایمان حاصل ہوتی ہے، ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور صحابہ انتظار کرتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور آکر سوال کرے، اعرابیوں کو کیا پتہ کہ

---

[1] صحیح بخاری

پروٹوکول کیا ہوتا ہے؟، وہ سیدھا آکر اپنا سوال پیش کر دیتے تھے۔اس نے کہا۔

یارسول اللہ ﷺ! ایک شخص کسی قوم سے محبت کرتا ہے مگر اسے یہ احساس ہے کہ وہ اس قوم سے کبھی نہیں مل پائے گا اور یہ احساس اسے انتہائی پریشان کئے رکھتا ہے کہ جس قوم سے محبت ہے اس قوم سے مل نہیں پاؤں گا۔ نبی ﷺ اس کا سوال سمجھ گئے اس کا مقصد یہ تھا کہ مجھے پیارے پیغمبر ﷺ سے محبت ہے اور جو صحابہ آپ ﷺ کے ارد گرد موجود ہیں ابو بکر، عمر، عثمان غنی و علی رضی اللہ عنہم ان سب سے محبت اور پیار ہے، مگر یہ قیامت میں کہاں ہوں گے ان کے درجات کتنے بلند ہیں، اور ہمارے اعمال بہت ہی پست ہوں گے تو پھر یہ ملنا کہاں ممکن ہوگا؟!۔ یہ میل جول دنیا کی زندگی تک ہے موت کے بعد کہاں ممکن ہوگا! کہاں ہمارے اعمال اور کہاں آپ ﷺ کے اور آپ کے صحابہ کے اعمال! یہ اس کا مقصد تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "المرء مع من أحب "." کہ انسان قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ دنیا میں محبت کرے گا۔"

کتنا بڑا سرمایہ ہے یہ محبت کہ اس سے نبی ﷺ کی رفاقت آپ کی معیت و صحبت حاصل ہو سکتی ہے، پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن کی سب سے بڑی امید افزا آیت آیتِ محبت ہے جس میں پیارے پیغمبر ﷺ کی اتباع کا ذکر ہے، اس اتباع کو محبت کا مرکزی نقطہ بنایا گیا ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت نبی علیہ السلام سے سوال کرنے آئی کہ ہمارے دلوں میں اللہ کی محبت ہے ہم چاہتے ہیں کہ محبت کی ظاہری کسوٹی ہونی چاہیے جس پر چیزوں کو پرکھا جاتا ہے۔ ذرا چیک کیا جائے کہ جو محبت جس کے ہم دعوی دار ہیں وہ سچی ہے یا جھوٹی ہے؟۔ کوئی ظاہری معیار جس پر اس محبت کو پرکھا جا سکے، یہ سوال اللہ تعالیٰ کی محبت کے بارے میں اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی محبت اللہ کی محبت کے تابع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سوال بڑا اہم ہے، مگر یہ جواب تب دوں گا جب اللہ کی طرف سے وحی آئے گی جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ" [1] ہمارا پیغمبر اپنی خواہش سے بات

---

[1] النجم: 3

نہیں کرتا بلکہ جب بھی دین کی بات کرتا ہے وہ اللہ کی وحی سے کلام فرماتا ہے، اپنی خواہش سے نہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ کی خواہش بڑی محترم، بڑی مقدس ہے، لیکن دین کے بارے میں یہ بات نوٹ کر لو کہ دین صرف وحی الٰہی کا نام ہے، اس میں کسی انسان حتیٰ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی خواہش کا عمل دخل نہیں ہے۔ ہاں آپ کی خواہش کو آسمان والا تصدیق کر دے تو دین ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ یہ دین کی حساسیت ہے اس کو جاننے اور پہچاننے کی کوشش کرو۔ کیا ہم اپنے جیسے انسانوں اور پیر و مرشدوں اور مشائخ کے درمیان گھرے ہوئے ہیں اور ان کی باتوں کو مانتے ہیں! دین کی صداقت کا تو احساس کرو اللہ کے پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ سوال تو بڑا قیمتی ہے مگر جب خالق کائنات کی طرف سے انکشاف ہو گا تب جواب دوں گا۔ چنانچہ وحی فوراً آگئی:

﴿قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴾[1]

کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعویدار ہو طلب گار ہو اس کا معیار جاننا چاہتے ہو وہ معیار ایک ہی ہے "میری اتباع کرو" یہ ایک ہی معیار ہے اور کوئی چیز نہیں، اور کیا چیز ہو سکتی تھی؟۔ نماز، روزہ، اعمال صالحہ یہی تو اللہ کے پیغمبر ﷺ کی اتباع ہے۔ اس اتباع کے دو نتیجے ہیں ایک اللہ تم سے محبت کرے گا، اور دوسرا اللہ رب العزت تمہارے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا۔ یہ سب سے زیادہ امید افزا آیت یوں ہے کہ جنت کا داخلہ دو اسباب کے ساتھ ہے ان میں سے کوئی سبب اگر معدوم و مفقود ہو گیا تو جنت نہیں مل سکتی۔ ایک اللہ کی رحمت اور محبت و رضا حاصل ہو جائے، اس کے بغیر جنت میں داخل کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کی دلیل بخاری شریف کی حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا" جب تک اللہ کی رحمت نہ ہو اس کی رضا اس کی محبت حاصل نہ ہو۔ دوسرا جنت میں جانے کا سبب گناہوں سے پاک صاف ہونا، ایک گناہ بھی اگر ہمارے ساتھ لگا رہ گیا جس کو

---

[1] آل عمران: 31

ہم نہ بخشوا سکے یا جس کو اللہ نے معاف نہ کیا ہو، نہ ہماری توبہ کے ذریعے، نہ اعمال صالحہ کے ذریعے، تو جنت نہیں ملے گی، جنت تمام گناہوں سے پاک صاف ہونے کے بعد ملے گی۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے کتنا اعزاز دیا جنت دی ایک ہی معصیت تو ہوئی تھی فوراً نکال دیئے گئے اس میں اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جنت کا وجود اور گناہ کا وجود دونوں متضاد حقیقتیں ہیں۔ جنت ہے تو گناہ نہیں، گناہ ہے تو جنت نہیں۔ یہ دو اسباب ہیں اور یہ دونوں اسباب اس ایک آیت میں موجود ہیں کہ اللہ رب العزت تم سے محبت بھی کرے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور ان دونوں اسباب کے حصول کی بنیاد ایک ہی ہے کہ ''فاتبعوني'' میرے پیغمبر ﷺ کی اتباع کرو اور وہ ایک ہی نقطہ پر قائم ایک ہی نقطہ کا محور ہے کہ ''اللہ کی محبت'' یعنی دین کے باتیں کتنی مربوط ہیں اور اس سے یہ اندازہ ہو گا کہ محبت رسول اور اتباع رسول یہ کتنا بڑا سرمایہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں دو اسباب حاصل ہو رہے ہیں جن کے ذریعے جنت میں داخلہ ممکن ہے۔ ایک اور مقام ملاحظہ ہو:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[1]

جو لوگ میرے پیغمبر کے کسی ایک امر کی مخالفت کرتے ہیں وہ خبردار ہو جائیں ان پر دو چیزیں مسلط ہیں دنیا میں فتنہ اور قیامت کے دن دردناک عذاب۔ یہ دونوں جہانوں کا عذاب اکٹھا ہے نافرمانی کا یہاں تعین نہیں ہے کسی زنا، چوری و سود خوری کا ذکر نہیں ہے، سمجھو کہ نافرمانی کیا ہے؟ نافرمانی اللہ کے رسول ﷺ کی کسی امر کی مخالفت، مخالفت کس چیز میں ہو اس کا ذکر نہیں ہے۔ کتنا خوفناک مقام ہے کسی ایک گناہ کا ذکر ہوتا تو اس سے بچ جاتے، چوری کا، ڈاکے کا، سود خوری کا کہ وعید بڑی شدید ہے کہ دنیا کا فتنہ اور آخرت کا دردناک عذاب، لیکن گناہ کا تعین نہیں ہے۔ اب معاملہ یہ ہے کہ میرے پیارے پیغمبر ﷺ کے کسی ایک امر کی مخالفت کرو گے تو دو عذاب تم پر مسلط ہوں گے ایک دنیا کا فتنہ اور دوسرا آخرت کا دردناک

[1] النور: 63

عذاب۔امام احمد بن حنبل إمام أهل السنة والجماعة فرماتے ہیں کہ یہ فتنہ شرک بھی ہو سکتا ہے۔اس سے بڑا کیا عذاب ہو گا کہ شرک سے بھیانک کوئی عذاب ہے کہ ایک بندے کو کسی معصیت کی پاداش میں مشرک بنادیا جائے اور اس پر مشرک ہونے کا ٹھپہ لگادیا جائے۔باقی چھوٹے چھوٹے فتنے مال کی بربادی، جانوں کی بربادی، یہ چھوٹے فتنے ہیں شرک سب سے بڑا فتنہ ہے۔یہ بات قابل سمجھ ہے کہ کیونکہ پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت کر کے لا محالہ کسی اور کی بات مانو گے اور یہ شرک ہے۔کیونکہ پیغمبر ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور پیغمبر کی اطاعت اس لئے نہیں کہ آپ کی اطاعت آپ ﷺ کی ذاتی خواہشات کی اطاعت ہے بلکہ اسلئے کہ پیغمبر علیہ السلام ترجمانِ وحی ہیں، ناطق وحی ہیں اس لیے آپ کی اطاعت ہے اور آپ کی اطاعت کا حکم اللہ نے دیا ہے لہذا یہ اللہ کی اطاعت ہوئی کسی اور کی نہیں۔اللہ کی مخالفت کر کے کسی اور کی اطاعت کرو گے تو یہ شرک ہے۔عدی بن حاتم نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپ سورۃالتوبہ کی یہ آیت کی تلاوت کر رہے تھے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[1]

یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء و راھبوں کو اپنا رب بنالیا، عدی بن حاتم نے اعتراض کیا کہ ''ما عبدناهم'' ہم نے تو کبھی ان کی عبادت نہیں کی رب تو معبود ہوتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو تمہارے علماء نے حلال کہا کیا تم نے اسے حلال نہیں مانا؟ اور جس چیز کو حرام کہا کیا تم نے اسے حرام نہیں مانا؟ توانہوں نے کہا جی ایسا ہی ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ''تلك عبادتهم'' یہی تو ان کی عبادت ہے۔معصیت کیا ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ کی کسی امر میں مخالفت اور یہ مخالفت اعتقادی امور میں بھی ہو سکتی ہے اور احکام میں بھی، اخلاقیات بھی ہو سکتے ہیں، معاشرت ہے، معیشت ہے، سیاست ہے کسی امر میں پیغمبر ﷺ کی مخالفت ان دو سزا کا موجب ہے دنیا میں فتنہ اور قیامت کا دردناک عذاب۔میں یہ سمجھتا

---

[1] التوبہ:31

ہوں کہ یہ ایک آیت کریمہ سب سے سخت آیت ہے۔ ایک معصیت جس کا تعین نہیں ہے اس پر دونوں جہانوں کے عذاب کو سمیٹے ہوئے اور وہ آیت سب سے امید افزا آیت ہے جس میں ایک اتباع پر ایک نقطہ پر دو اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں۔ جن کے سبب اللہ تعالیٰ جنت کا داخلہ عطا فرمادے گا۔ ایک اللہ کی رضا و رحمت کا حصول دوسرا گناہوں سے مغفرت تو پھر یہ محبت ایک دن کا قصہ نہیں ہے، یہ پوری زندگی کا قصہ ہے، پوری زندگی کا سرمایہ ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم یہ طے کر لیں کہ ہر معاملہ پر عمل اللہ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق کرنا ہے۔ تو یوں عمل تو ہر وقت جاری ہے سونا جاگنا بھی عمل ہے، کھانا پینا بھی عمل ہے، سفر و حضر بھی عمل ہے، بازار و گھر میں بھی عمل ہے۔ یہ سنت ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، یعنی محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ ہے، کیونکہ پیغمبر کی اتباع در حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے۔ اللہ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہوں نے یہ دین ہم تک پہنچایا، بڑی تکلیفیں جھیل کر بڑی صدمے جھیل کر آپ اس پوری امت کے محسن ہیں۔ فاقے، جنگیں، تیرہ سالہ مکی دور کبھی شعب ابی طالب کی جیل، کبھی اہل مکہ کے طعن والزام تراشیاں، کبھی ان کے پتھر، نبی علیہ السلام کے سامنے صحابہ کو شہید کرنا۔ یہ کیا چھوٹے صدمے ہیں یہ تیرہ سالہ مکی دور ہے حتی کہ ہجرت پر مجبور ہوگئے، اپنے آباؤاجداد کے گھر و گلیوں کو چھوڑ دیا، اللہ اکبر! جاتے ہوئے فرمایا: ''کعبۃ اللہ! اگر تیری قوم مجھے مجبور نہ کرتی ہم تجھے کبھی نہ چھوڑتے، تیری محبت ہمارے دل میں پیوست ہے۔

مگر ان سب کو چھوڑنا پڑا اور چھوڑ دیا۔ قوم نے دھتکار دیا، ترکِ وطن پر مجبور ہوئے، مدینہ منورہ میں ریاست قائم ہوگئی تو کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ مدینہ کے شب و روز چین سے گزر گئے ہوں گے؟ نہیں مدینہ کے دس سال مسلسل جہاد فی سبیل اللہ سے عبارت ہیں، آج بدر کا معرکہ، کل احد کا، پرسوں خندق کا معرکہ ہے، کبھی سفر ہے تبوک کا، فتح مکہ و حنین کا، خیبر کا یہ سب پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوات و اسفار آخری عمر تک جاری رہے۔ اپنی وفات سے چند ماہ قبل آپ نے تبوک کا سفر کیا، تیرہ سال مکہ میں دعوت کے میدانوں میں اور دس سال مدینہ میں مسلسل جہاد کے میدانوں میں اور پھر باقی زندگی وہ بھی مسلسل مشکل کا شکار تھی، فاقہ کشی، صحابہ نے

بھوک کی حالت میں پیٹوں پر پتھر باندھے۔ خندق کے موقع پر ایک چٹان نہیں ٹوٹ رہی تھیں اس کو چھوڑ دیں تو یہ کمزور پہلو رہ جائے گا۔ آپ ﷺ نے کہا میں اس کو توڑتا ہوں۔ آپ نے کھدال لی اور اس پر وار کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو قمیص اوپر ہو گئی تو صحابہ نے دیکھا آپ ﷺ نے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔ یہ ایک مستقل تکالیف کا سلسلہ آپ ﷺ نے برداشت کیا۔ یہاں ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جو ان تمام حالات کی بخوبی نشاندہی کر دے گا: نبی ﷺ اپنے نو کے نو گھروں میں کھانا طلب کرتے ہیں، مگر کھانا کہیں موجود نہیں تھا تو آپ ﷺ باہر آ گئے۔ مگر یہ بات جان لیں یہ فاقہ آپ کا اختیاری تھا اضطراری نہ تھا پیش کش ہوئی تھی آپ کو کہ یہ مکہ کے پہاڑ سونے کے بنا دیں اور مکہ کے پتھروں و کنکر کو جوہر و یاقوت بنا دیں۔ آپ نے منع فرمایا تھا۔ اور کہا تھا کہ میری یہ خواہش ہے کہ میں اللہ کا فقیر بندہ بن کر زندگی گذار دوں۔ چنانچہ آپ باہر چلے گئے باہر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود تھے، پوچھا تم اس وقت دوپہر کی گرمی میں کیا کر رہے ہو کہا کہ یارسول اللہ "اخرجني مخرجک" کہ مجھے گھر سے اس چیز نے نکالا ہے جس نے آپ کو نکالا ہے۔ ابو بکر صدیق صاحب فراست تھے، آپ ﷺ کے چہرے سے کمزوری و بھوک کے آثار دیکھ کر معاملہ سمجھ چکے تھے، تھوڑا آگے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی آ گئے وہ بھی اسی بھوک کے مارے نکلے۔ یہ وہ معاشرہ ہے یہ نہیں کہ یہ فقراء تھے یہ لوگ تجارت بھی کرتے تھے مگر یہ بہت تعجب خیز حقیقت ہے کہ جو کماتے جب موقع آتا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ ان کے دل میں وسعت تھی، اپنے سے زیادہ کسی حاجت مند کو دیکھتے تو اپنا مال اس کو دے دیتے تھے اور خود فاقہ برداشت کرتے۔ نبی علیہ السلام امہات المؤمنین کو جب اللہ نے ان کو وسعت دی تو سال بھر کا راشن دیا کرتے تھے۔ مگر امہات المؤمنین بھی بلا کی سخی تھیں اور وہ بھی حاجت مندوں کو دیتی رہتی تھیں۔ پھر نوبت یہاں تک آ جاتی کہ گھر میں کچھ نہ ہوتا تھا۔ نبی علیہ السلام اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر چل پڑے، آگے ابو الھیثم کا گھر تھا دروازے پر دستک دی (اور تین بار سلام کیا مگر جواب نہ آیا تو آپ لوٹنے لگے تو) ابو الھیثم کی بیوی نے دروازہ کھولا اور سلام کا جواب دیا۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا تم نے تاخیر کیوں کی جواب دینے میں۔ ام الھیثم نے جواب دیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ دعا دے رہے

تھے میں نے سوچا کہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے، اس لیے خاموش رہی کہ جب تک آپ سلام کرتے رہیں گے میں اپنے دل میں جواب دوں گی مگر زور سے جواب نہ دوں گی، تاکہ سلام کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔ آپ نے پوچھا ابوالھیثم کہاں ہے؟ جواب ملا، ابوالھیثم میٹھا پانی لینے گئے ہیں آپ تشریف رکھیں۔ ابوالھیثم بھی فوراً گھر پہنچ گئے گھر میں دیکھا کہ عجیب بہار و رونق تو آپ بول اٹھے کہ آج اس روئے زمین پر مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں ہے۔ جس کا مہمان رسول اللہ ﷺ، ابو بکر صدیق، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما۔

فوراً نبی ﷺ کو اور مہمانوں کو باغ پر لے گئے اور درخت پر چڑھ گئے اور کھجور کا خوشہ لے کر آئے اور آپ سے چمٹ گئے اور زبان سے یہ الفاظ ادا فرمائے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہاں محبت کی اساس معلوم ہوتی ہے صحابہ کا منہج ظاہر ہوتا ہے اور انکا انداز کیا تھا کہ باغ میں بٹھایا درخت پر چڑھ گئے۔ ابوالھیثم درخت کا خوشہ لے کر آئے جس میں تر اور خشک کھجوریں تھیں۔ تاکہ آپ ﷺ ہر طرح کی کھجوروں کا ذائقہ حاصل کر لیں۔ پھر آپ (ابو ھیثم) نے چھری ہاتھ میں لی اور اپنے جانوروں کی طرف بڑھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسی بکری کو ذبح نہ کرنا کہ کہیں تیرے بچے دودھ سے محروم نہ ہو جائیں۔ ایسی ذبح کرنا جو دودھ نہ دیتی ہو۔ چنانچہ انہوں نے چھوٹی بکری ذبح کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔"

اس کا معنی یہ کہ بندہ ہر نعمت کا شکر ادا کرے اس کی صورت یہ ہے کہ نعمت اللہ کی دی ہوئی اس پر عمل صالح کیے جائیں نیکیاں بڑھادی جائیں، جیسے جیسے ان نعمتوں میں اضافہ ہو ویسے ہی نوافل میں اضافہ کیا جائے۔ پھر آپ ﷺ اس گھر سے نکلے فرمایا کہ "اے ھیثم یہ سارے کام تم خود کرتے ہو کیا تمہارے پاس کوئی خادم نہیں ہے؟" انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا: "کہ ٹھیک ہے جب ہمارے پاس کوئی خادم، غلام آئے ہم تمہیں دے دیں گے، کچھ دنوں کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں دو غلام حاضر ہوئے۔ نبی ﷺ کو ابوالھیثم

رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی یاد تھی، انکو بلایا گیا۔ فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کر لو اور اپنے پاس لے جاؤ۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ میرے لیے پسند فرمادیں۔ میرے لیے زیادہ خوش نصیبی ہو گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''المستشار مؤتمن'' کہ مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے، ایک غلام کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ غلام اپنے ساتھ لے جاؤ، اس غلام کو میں نے دیکھا ہے کہ یہ نماز پڑھتا ہے اور کہا کہ اس غلام کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ آپ (ابوالھیثم) ان کو اپنے ساتھ لے گئے رات کو اپنی بیوی کے ساتھ مشورہ کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے تلقین کی کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اب دیکھیے محبت کی اصل حقیقت کیا ہے کہ ابو ھیثم نے کس طرح مہمان نوازی کی، یہ بھی محبت ہے اور اصل محبت کیا ہے کہ دونوں میاں بیوی اس بات پر غور کرتے رہے کہ کس طرح اچھا سلوک کریں۔ چنانچہ اطاعت نبوی میں بیوی کے ذہن میں یہ بات آئی کہ میرے پاس ایک نقطہ ہے اس غلام کو اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا جائے۔ ابو ھیثم نے کہا کہ آج سے وہ آزاد ہے۔ یہ ہے اطاعت کا جذبہ، یہ ہے محبت۔

اس واقعے میں دو باتیں سامنے آتی ہیں، رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کی تکلیف بھوک و فاقہ اور دوسری اللہ کے پیغمبر ﷺ کے لیے محبت صحابہ کے دلوں میں کس طرح پیوست تھی۔ اور اس محبت کا کیا معنی تھا، نبی علیہ السلام کو اس بات کا علم ہوا کے ابوالھیثم نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے اور مشورہ ان کی بیوی کا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر شخص جو کسی منصب پر فائز ہوتا ہے اس کا رازدان ساتھی ہوتا ہے جو اس کو بھلائی کا مشورہ دیتا ہے۔'' چنانچہ اشارہ ابوالھیثم اور اس کی بیوی کی طرف تھا کہ کتنی نیک اور صالحہ خاتون ہیں بہت سے کام ان کی بیوی کو بھی کرنے پڑتے اور ابوالھیثم کو بھی کرنے پڑتے تھے۔ ایسے ہی ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح اللہ کی راہ میں اپنا باغ بیچ دیا جنت کے ایک درخت کے عوض ان کی بیوی نے بھی مبارکباد دی۔

یہ تھی آپ ﷺ کے صحابہ اور ان کی محبت۔ دیکھیں کس طرح آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ سے محبت کرتے تھے۔

جناب جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی بیعت تین چیزوں پر کی تھی۔ نماز قائم کرنے پر، زکوٰۃ کی ادائیگی اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر۔ جب آخری وقت آیا تو ان کو ایک گھوڑے کی ضرورت تھی اپنے غلام کو بھیجا کہ ایک گھوڑا خرید کر لانا، غلام بازار گیا اور ایک گھوڑے کی قیمت 3000 درہم مثال کے طور پر بنی، غلام اس گھوڑے کے مالک کو بھی ساتھ لے آیا کہ میرے آقا تمہیں قیمت ادا کریں گے۔ جریر بن عبداللہ نے پوچھا کہ کیا قیمت ہے ؟انہوں نے جواب دیا کہ 3000 درہم۔ آپ نے اس گھوڑے کو دیکھا اور کہا کہ اس کی قیمت 3000 نہیں ہو سکتی۔ 5000 درہم ہے۔ پھر گھوڑے پر چکر لگا کر آئے اور کہا کہ اس کی قیمت تو 10000 ہزار درہم ہے۔ دس ہزار اسے دیئے اور وہ چلا گیا۔ غلام نے کہا میں نے اس کی قیمت کم کروائی اور آپ نے 10000 دے دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ اب یہاں باتیں دو ہیں یا تو اسے اس گھوڑے کی صفات کا معلوم نہیں یا تو وہ ضرورتمند ہے۔ اس نے اونے پونے اپنی چیزیں بیچنا چاہیں۔ لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔

یہ ہے حقیقی جذبہ محبت و اطاعت ہے۔ کیا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہ کام کیے جو ہم محبت کے نام پر کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ اطاعت کی۔ اگر یہ سچی اطاعت ہم کر لیں تو دنیا میں انقلاب آسکتا ہے۔ ہم امت مسلمہ کو دعوت دیں گے کہ متحد ہونے میں، ہمارے میل جول میں ہماری طاقت ہے اور ہماری کمزوری تفرقہ میں ہے۔ اسی تفرقہ کا دشمن فائدہ اٹھاتا ہے اور ہم پر ضروری ہے کہ جو شرعی مقاصد ہیں اُن کی تکمیل کریں یقیناً یہ ہماری سب سے بڑی قوت ہو گی اور سب سے بڑی قوت اتباع میں ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”جو قوم اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور کے طریقے سے فیصلے کرے گی اللہ اس کو فقیر کر دے گا ،قلاش کر دے گا“۔ ہم فقیر ہیں ،قلاش ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے درمیان اللہ کے رسول ﷺ کی شریعت و سنت نافذ نہیں ہے۔ ہماری عدالتیں آپ ﷺ کے طریقے سے فیصلے نہیں کرتی، اپنے وضعی قانون، ہندوستانی و برطانوی قوانین سے فیصلے کرتے ہیں۔ کہاں

سے خوشحالی آئی گی؟!۔

لہذا اطاعت رسول ہی ہمارا اساسہ ہونا چاہئے اور دین کے ساتھ تعلق مضبوط ہو۔ اللہ کے پیغمبر ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اھل بیت سے محبت ہو، اللہ کے پیغمبر ﷺ کی سنت سے محبت ہو۔ اللہ کے پیغمبر ﷺ کو جس جس سے محبت تھی اس سے محبت ہونی چاہئے اللہ ہمیں ان باتوں کی سمجھ عطا فرمادے۔ (آمین)

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

قارئین توجہ فرمائیں

الحمد للہ سہ ماہی البیان کی ٹیم اپنی تمام تر ممکنہ کاوشوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کی ہر کاپی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن بتقاضائے بشریت، کمال کسی کو حاصل نہیں، لغزشیں بنی آدم کا خاصہ ہیں۔ لہذا قارئین سے گذارش ہے کہ وہ اس سلسلے کو مزید بہتر سے بہتر بنانے کیلئے تجاویز ارسال کریں۔ اور جہاں ہماری اصلاح کی ضرورت سمجھیں اصلاح بھی کریں کیونکہ "الدین النصیحة" دین تو خیر خواہی کا نام ہے۔ ممکن ہے آپ کا کوئی قیمتی مشورہ ہمارے کام آجائے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے آپ کیلئے صدقہ جاریہ بن جائے۔ (ادارہ)

احکام ومسائل

قربانی کے فضائل ومسائل

(سوالاً جواباً)

حافظ محمد سلیم حفظہ اللہ [1]

سوال: اضحیہ کی تعریف کیا ہے؟اوراس کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

ج: عید الاضحیٰ کے موقعہ پر جن جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے انہیں " اضحیہ " کہتے ہیں اوراس کی جمع "اضاحی " ہے۔

اس کا وقت 10 ذوالحجہ کو عید کی نماز ادا کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

جیسا کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا:

"إن أول ما نبدأ من يومنا هذا أن نصلي ثم نرجع فننحر فمن فعل هذا فقد أصاب سنتنا".[2]

" آج کے دن کی ابتدا ہم نمازِ عید سے کریں گے، پھر فارغ ہو کر قربانی کریں گے جس نے اس طرح کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا"۔

سوال: کیاقربانی کا حکم قرآن وسنت میں موجود ہے؟

ج: جی ہاں اس کی ترغیب قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [3]

ترجمہ: "پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔"

---

[1] مفتی المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

[2] صحیح بخاری:باب الذبح بعد الصلاۃ رقم الحدیث5560،

صحیح مسلم:باب وقتھارقم الحدیث:1961

[3] الکوثر : 2

سنن ابو داؤد اور ابن ماجہ میں روایت ہے مخنف بن سلیم فرماتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس عرفات کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"يا أيها الناس إن على كل أهل بيت في كل عام أضحية".[1]

" اے لوگو! ہر گھر والوں پر ہر سال ایک قربانی ہے"۔

سوال: قربانی کا شرعی حکم کیا ہے؟

ج: جمہورِ اہل علم کا یہی موقف ہے کہ قربانی سنتِ مؤکدہ ہے۔ یہی وجہ ہے امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " قربانی کا واجب ہونا کسی ایک صحابی سے بھی ثابت نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ کا اس سنت پر ہمیشگی اختیار کرنا، سفر میں بھی قربانی کرنا، اور صحابہ میں قربانی کے جانور تقسیم کرنا ان امور سے اس عمل کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔ یعنی یہ ایک مؤکد سنت ہے۔[2]

اس بارے میں ایک مرفوع روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا".[3]

یعنی استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والا ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔

سوال: کیا قربانی کے لیے صاحبِ نصاب ہونا شرط ہے؟

ج: قربانی کے لیے صاحبِ نصاب ہونا ضروری نہیں اس کی دلیل جناب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"أقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة عشر سنين يضحي".[4]

---

[1] سنن ابن ماجه: باب الاضاحي واجبةهي أم لا؟ حديث رقم3125، سنن ابى داود: باب ما جا فى ايجاب الاضاحى رقم حديث2788-

[2] بحواله فتح البارى شرح بخارى ،المحلى بالآثار جلد 3/6۔

[3] سنن ابن ماجه: باب الاضاحى واجبةهي أم لا؟ حديث رقم3125، مسند احمد: مسند ابى هريرة حديث رقم: 8273-

[4] سنن الترمذى: باب الدليل على ان **الاضحية سنة** حديث رقم: 1507، مسند احمد: مسند ابن عمر حديث رقم: 4955

" یعنی رسول اللہ ﷺ اپنی پوری زندگی میں قربانی کرتے رہے۔اور یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ آپ صاحبِ نصاب نہیں تھے"۔

سوال: قربانی قبل از نمازِ عیداگر کرلی جائے تواس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: قربانی عید کے نماز سے پہلے کرنا ٹھیک نہیں بلکہ اگر کسی نے ایسا کرلیا تو یہ ایک عام ذبیحہ ہوگا قربانی نہیں ہوگی،اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: "**من ذبح قبل الصلاةفليعد**".[1] " یعنی جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کی (تواس کی قربانی نہیں ہوئی)اسے چاہئے کہ وہ دوبارہ قربانی کرے"۔

سوال: قربانی کرنے والے پر شرعاً کن امور کالحاظ رکھناضروری ہے؟

ج: قربانی کرنے والا ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد ناخن نہ کتروائے اور حجامت وغیرہ نہ بنوائے یہاں تک کہ وہ قربانی کرے۔[2]

سوال: کیاایک قربانی ایک گھر کی طرف سے کفایت کرجائے گی؟

ج: جی ہاں! جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگ قربانیاں کیسے کرتے تھے؟ انہوں نے جواباً فرمایا: "كان الرجل يضحي بالشاة عنه وعن أهل بيته".[3]

" یعنی ایک آدمی اپنے پورے گھروالوں کی طرف ایک بکری قربان کرتا تھا"۔

سوال: کیاہر حلال جانور کی قربانی درست ہے؟

ج: ہر حلال جانور کی قربانی درست نہیں اس حوالے سے روایات مین جن جانوروں کا ذکرہے اسی پراکتفا کیا جائے۔مثلااونٹ،گائے،بیل،بکرا،بکری،بھیڑ،دنبہ۔[4]

---

[1] صحيح البخاری:باب من ذبح قبل صلاة العيد اعاد:حديث رقم:5561،صحيح مسلم:باب وقتها حديث رقم:1960۔

[2] صحيح مسلم:باب نهي من دخل عليه عشرة ذی**الحجة** حديث رقم:1977۔

[3] سنن الترمذی:باب ما جاء ان الشاء الواحدة تجزی حديث رقم:1505۔

[4] بحواله كتب سنن:والصحاح والمسانيد والكتب فقهية۔

سوال: قربانی کے جانور میں کن عیوب سے بچنا ضروری ہے؟

ج: براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أربع لا تجوز في الأضاحي العوراء بين عورها، والمريضة بين مرضها، والعرجاء بين ظلعها، والكبيرة التي لا تنقي"۔ [1]

"چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں، یک چشم جس کا یک چشم ہونا بالکل صاف طور پر معلوم ہو، بیمار جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن نمایاں ہو، اور ایسا بوڑھا کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو"۔

سوال: قربانی کے جانور میں پہلے عیب نہیں تھا خریدنے کے بعد عیب پیدا ہو گیا اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

ج: سابقہ سوال کے جواب میں مذکور حدیث میں بیان کردہ عیوب ذبح کے وقت اگر پائے گئے تو قربانی نہیں ہوگی۔

سوال: اونٹ اور گائے میں کتنے افراد شریک ہو سکتے ہیں؟

ج: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر فحضر الاضحى، فشتركنا في البقرة سبعة وفي البعير عشرة" . [2]

اونٹ میں دس افراد کے حوالے سے بعض روایات ہیں جو سنداً ضعیف ہیں، لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ نیز بخاری (حدیث 5498) کی روایت اس مضمون کی مؤید ہیں۔ جس سے حدیث کی صحت کی جانب قوی ہو جاتی ہے۔

سوال: حلال و حرام ہونے کے اعتبار سے حاملہ جانور کے بچے کا کیا حکم ہے؟

ج: اس بارے میں جناب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[1] سنن النسائی: باب ماهى عنه من الأضاحي العوراء حديث رقم: 4369۔

[2] مسند احمد: مسند عبداللہ بن عباس رقم الحديث: 2484

فرمایا: "ذكاة الجنين ذكاة أمه".[1] پیٹ میں موجود بچے کا حلال ہونا اس کی ماں کو ذبح کرنے سے حاصل ہوگا۔ مذکورہ حدیث کی روشنی میں واضح ہوا پیٹ میں موجود بچہ ہر حال میں حلال ہے۔

سوال: حاملہ جانور کی قربانی لاعلمی میں صحیح ہے یا اس کے حاملہ ہونے کے علم کے بعد بھی صحیح ہے؟

ج: اس کے حاملہ ہونے کا علم ہو جائے پھر بھی اس کی قربانی صحیح ہے۔ اس کی دلیل مذکورہ روایت کے الفاظ کی صراحتاً دلالت ہے یعنی "ذكاة الجنين ذكاة أمه". پیٹ میں موجود بچے کا حلال ہونا اس کی ماں کو ذبح کرنے سے حاصل ہوگا۔

سوال: کیا قربانی کے ایام میں قربانی صرف دن کو کی جاسکتی ہے یا رات کو بھی کی جاسکتی ہے؟

ج: حدیث مبارکہ میں ایام ذبح کا جو ذکر آیا ہے اس میں دن اور رات دونوں کو شامل ہے رات کو قربانی نہ کرنے کے حوالے سے جو روایت "نهى عن الذبح بالليل". "کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کو ذبح کرنے سے منع فرمایا"۔ یہ روایت سنداً صحیح نہ ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد میں وضاحت کی ہے۔

سوال: خصی جانور کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ بلا کراہت جائز ہے یا بمع کراہت؟۔

ج: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو مینڈھے لائے گئے جو "أقرنين أملحين، عظيمين، موجوئين".[2]

"یعنی مینڈھے سینگ دار چتکبرے اور خصی تھے۔ ثابت ہوا خصی جانور کی قربانی بلا کراہت جائز ہے"۔

---

[1] سنن الترمذی: باب ما جاء فی ذکاة الجنین رقم الحدیث: 1476

[2] بحوالہ مجمع الزوائد ابو داؤ د مسند احمد - سنن ابی داود: باب ما یستحب من الضحایا رقم الحدیث: 2795

سوال: اجتماعی قربانی کے معاملے کو اگر ایک کاروباری شکل میں رواج دینے کی کوشش کی جائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں؟

ج: جس طرح جانور خرید کر بیچنا صحیح ہے اور منافع کمانا درست ہے اس طرح اس مسئلہ میں بھی لوگوں کو سہولت مہیا کر کے منافع کمانا گناہ نہیں البتہ ہر قسم کی دھوکہ دہی و کذب بیانی سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

سوال: قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت کن امور کا لحاظ رکھا جائے؟

ج: ❶ قربانی کے جانور کو گھسیٹ کر ذبح کرنے کی جگہ نہ لایا جائے۔ ❷ اور اسے تیز چھری کے ساتھ ذبح کیا جائے۔ ❸ ذبح سے قبل اسے پانی پلانا۔ ❹ جانور کو قبلہ رخ لٹا کر ذبح کرنا۔ یہ امور صحیح مسلم ''کتاب الصید والذبائح''میں موجود روایت سے ثابت ہوتے ہیں۔ شداد بن اوس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح وليحد أحدكم شفرته فليرح ذبيحته".** [1]'' یعنی جب تم جانور کو ذبح کرو تو عمدگی سے ذبح کرو اور ذبح کرنے والا اپنی چھری کو تیز کرے اور اپنے جانور کو آرام پہنچائے۔

سوال: اجتماعی قربانی کے حوالے سے اس کا اہتمام کرنے والے اداروں کو کن امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے؟

ج: معاملہ انفرادی قربانی کا ہو یا اجتماعی قربانی کا مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے:

❶ قربانی کرنے والا صحیح العقیدہ ہو۔

❷ نماز کا پابند ہو۔

❸ حرام کاروبار نہ کرتا ہو یعنی اس کا کسب حلال ہو۔

سوال: ذبح کرتے وقت اجتماعی قربانی میں شریک افراد کا نام لینا اور ان کی حاضری ضروری

---

[1] صحیح مسلم: باب الامر باحسان الذبح والقتل رقم الحدیث: 1955-

ہے؟ یا نامزدگی کفایت کرجائے گی؟

ج: ذبح کرتے وقت شریک افراد کا نام لینا ضروری نہیں نامزدگی ہی کافی ہے۔ اوران کی موجودگی بھی ضروری نہیں۔ اسسلسلہ میں ایک روایت جو نقل کی جاتی ہے کہ تمام شریک افراد ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں اور آخری ساتواں شخص چھری چلائے۔ یہ روایت سنداً صحیح نہیں ہے۔ بلکہ کئی روایات میں گائے میں سات افراد اور اونٹ میں دس افراد کی شرکت کا ذکر آیاہے۔ ان روایات کا تقاضہ یہ ہے کہ نامزدگی کفایت کرجائے گی البتہ نام لینا مستحب ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

سوال: اجتماعی قربانی میں شریک افراد کو حصہ اس قربانی کے جانور سے دیا جائے جس میں اس کی نامزدگی تھی یا کسی دوسرے جانور سے اسے حصہ دیا جاسکتا ہے؟ اس میں صحیح صورت کیا ہے؟

ج: اجتماعی قربانی میں شریک افراد کو حصہ اس قربانی کے جانور سے دیا جائے جس میں اس کی نامزدگی تھی یہی بہتر اور زیادہ احواط (احتیاط کے قریب تر) ہے۔

سوال: کیا قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنا گناہ ہے؟

ج: قربانی کا گوشت ذخیر کرنا گناہ نہیں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: **"کلوا واطعموا وادخروا".** [1] ''یعنی کھاؤ کھلاؤ اور ذخیرہ کرو''۔ مزید آپ ﷺ کا فرمان ہے: **"کنت نهيتكم عن لحوم الأضاحي فوق ثلاث فأمسكوا ما بدا لكم".** [2]

''یعنی میں نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا لیکن اب جتنا ذخیرہ کرنا چاہو کر سکتے ہو''۔

---

[1] صحیح بخاری: باب ما يؤكل من لحوم الاضاحي وما يتزود رقم الحديث: 5569۔

[2] سنن ابن ماجه: باب ادخار لحوم الاضاحي رقم الحديث: 3160۔

سوال: بعض لوگ معاشی تنگدستی کے سبب قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرکے بیچتے ہیں یا پکا کر بیچتے ہیں ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

ج: شرعاً اس عمل میں کوئی قباحت نہیں ہے جب کوئی چیز کسی مسلمان کو ہدیۃً دی جاتی ہے تو پھر وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے پھر وہ اپنے اختیار سے اسے صرف کر سکتا ہے۔

سوال: کیا خواتین اپنے قربانی کے جانور پر چھری پھیر سکتی ہیں؟

ج: مسلمان خاتون کا اپنی قربانی کے جانور پر چھری پھیرنا صحیح ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"أمر أبو موسىٰ بناته أن يضحين بايديهن".[1]

"یعنی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے کہ وہ اپنی قربانیاں خود ذبح کریں"۔

سوال: قربانی سے قبل [بسم الله و الله أكبر] پڑھنا بھول گئے تو قربانی ہو جائے گی یا نہیں ہو گی؟

ج: جی ہاں! بھولنے کی صورت میں قربانی پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ البتہ بحکم باری تعالیٰ: "فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ".[2] نیز فرمایا: " وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ".[3] کے تحت ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ واللہ اکبر نہ پڑھنے سے قربانی نہیں ہو گی۔

سوال: قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کیا جائے؟

ج: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ".[4] یعنی تم خود

---

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری :باب من ذبح ضحیۃغیرہجلد24/10-

[2] الأنعام: 118

[3] الأنعام: 121

[4] الحج: 36

بھی کھاؤاور قانع جو طلب نہیں کرتا ضرورت مند نہیں ہے اس کو بھی دواور معتر جو ضرورت مند ہے مانگنے والا ہے اس کو بھی دو۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "کلوا واطعموا وادخروا". یعنی کھاؤ کھلاؤاور ذخیرہ کرو۔

سوال: سفر میں قربانی کرنا؟

ج: سفر میں قربانی کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ جیساکہ ثوبان رضی اللہ عنہ سے رایت ہے کہ **"ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السفر".**[1] ''یعنی رسول اللہ ﷺ نے سفر میں قربانی کی''۔ لہٰذا کوئی اس سنت پر مسافر ہونے کی صورت میں عمل کرتاہے تو صحیح ہے۔

ویسے قربانی کرنااس حالت میں اس پر لازم نہیں ہے۔

سوال: قربانی کی کھال کامصرف؟

ج: قربانی کی کھال قصاب کواجرت میں دینا منع ہے،البتہ اسے ذاتی مصرف میں لانا صحیح ہے یعنی اس کا مصلی، مشکیزہ یاجوتے بنانا صحیح ہے۔اسی طرح دینی اداروں میں دینا، مساکین وبیواؤں کودینا بھی صحیح ہے۔

سوال: کیامأکول اللحم(وہ جانور جس کا گوشت کھایاجاتاہے)جانور کی بعض چیزیں کھانے کے حوالے سے مکروہ ہیں؟

ج: حنفیہ نے مأکول اللحم جانور کی بعض اشیاء پر کراہت کا حکم لگایاہے۔ مثلا بدائع الصنائع میں خصیتین، پتہ، مثانہ، نر ومادہ کے پیشاب کی جگہ۔ان مذکورہ اشیاء میں سے کسی کی کراہت قرآن و صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس بارے میں جو روایت نقل کی جاتی ہے وہ انتہائی ضعیف ہونے کے سبب قابل استدلال نہیں۔

سوال: قربانی کے جانور کاخون کپڑے پر لگ جائے تو نماز ہو جاتی ہے؟

---

[1] سنن ابی داود:باب في المسافر يضحى رقم الحديث:2814-

ج: اس بارے میں وہ واقعہ جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب "إذا ألقى على ظهر المصلي قذرٌ أو جيفةٌ" کے تحت ذکر کیا ہے۔عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز ادا کر رہے تھے اور ابو جہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا "أيكمي جيء بسلا بجزور بني فلان" کاش کوئی آج بنو فلاں کے جو اونٹ نحر ہوئے ہیں ان کی بچہ دانی لا کر محمد ﷺ کی پیٹھ پر ڈال دے،، بچہ دانی میں خون وغیرہ بھی ہوتا ہے لیکن آپ ﷺ نے نماز مکمل کی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر مصنف ابن شیبہ، مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے منقول ہے کہ :"نحر جزورا فتلطخ بدمهاوفرثها ثم أقيمت الصلاة و لم يتوضأ". یعنی عبد اللہ بن مسعود و رضی اللہ عنہ نے اونٹ نحر کیے اور اس کے خون و گوبر لگ جانے کے بعد بھی انہوں نے نماز ادا کی اور وضو نہیں کیا۔اس حوالے سے یہ اثر موقوف ہے،راجح ہے۔

هذاماعندي والله أعلم بالصواب

چوتھے دن کی قربانی کا مسئلہ

سوال: چوتھے دن کی قربانی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج:۱: قربانی کے ایام یوم النحر کے علاوہ بقیہ تین دن یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ قربانی کے ایام ہیں۔

اس بارے میں جمہورِ اہلِ علم کی دلیل جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے :"كل أيام التشريق ذبح".[1]۔اس روایت کی سند میں تمام رجال ثقات ہیں۔البتہ سلمان بن موسیٰ کا سماع جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔

جبکہ ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح ابن حبان میں بھی یہی روایت نقل کی

---

[1] مسند احمد رقم الحدیث:16752،سنن الصغیر للبیہقی:باب وقت **الاضححة** رقم الحدیث:1832۔

ہے۔ لیکن اس کی سند میں بھی انقطاع ہے یعنی عبد الرحمٰن بن ابی حسن کا سماع جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔

اگرچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے معرفۃ السنن میں اس انقطاع کا ذکر نہیں کیا[1] نیز حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے۔

"وحجة الجمهور حديث جبير بن مطعم رضي الله عنه رفعه (كل فجاج منىٰ منحر وكل أيام التشريق ذبح) أخرجه أحمد لكن في إسناده انقطاع ووصله الدارقطنى ورواته ثقات".[2]

" یعنی اس حدیث کو متصل سند کے ساتھ دارقطنی نے روایت کیا اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں یوں تعدد طرق کے سبب سے اس روایت کو محققین کی ایک جماعت نے قبول کیا ہے۔ مثلاً

امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں :

"فقال الشافعي يجوز في يوم النحر وأيام التشريق ثلاثة بعده ومن قال بهذا علي ابن ابي طالب وجبير بن مطعم وابن عباس رضي الله عنهم وعطاء والحسن البصري وعمر بن عبد العزيز وسليمان موسىٰ الأسدي فقيه أهل الشام وداؤود الظاهري".[3]

یعنی امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علی بن ابی طالب، جبیر بن مطعم، ابن عباس رضی اللہ عنہم ، حسن بصری ، عمر بن عبد العزیز سلیمان موسیٰ الاسدی اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ جمیعاً یہ سب چار دن کی قربانی کے قائل ہیں۔

جبکہ فتح الباری میں اہل شام کے امام امام اوزاعی رحمہ اللہ کا نام بھی مذکور ہے نیز امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے اس تحقیق کو اختیار کیا ہے۔

مزید امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کتاب الاختیارات میں لکھا ہے۔

"ذبح الأضحية آخر أيام التشريق وهو مذهب الشافعب وأحد قولى أحمد".

---

[1] معرفة سنن:ايام النحر رقم الحديث:16114-

[2] فتح الباری ج: ١٠،سنن الدار القطنى :الصيد و الذبائح:رقم الحديث:4758-

[3] شرح مسلم للنووی: کتاب الاضاحی جزء 112/13-

یعنی قربانی ایام تشریق کے آخری دن تک ہے۔یہی موقف امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے دو قول میں سے ایک قول چوتھے دن کی قربانی کا ہے۔نیز زاد المعاد میں علامہ ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے محلّی میں حنفیہ کے اس دعوے پر کے تین دن کی قربانی کا مسئلہ اجماعی مسئلہ ہے کی تردید میں پہلے ان آثار پر اصولی نقد کیا ہے اور پھر اپنا مؤقف بیان کیا ہے، وہ فرماتےہیں :

① " عن علي النحر ثلاثةأيام".

یعنی علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قربانی تین دن ہے اس کی سند میں ابن ابی یعلیٰ سیئ الحفظ جبکہ منہال متکلم فیہ ہے۔

② مالک بن ماعز یا ماعز بن مالک نے اپنے والد سے بیان کیا کہ ان کے والد نے جنابِ عمر رضی اللہ عنہ سے سنا "إنما النحر في هذه الثلاثة الأيام"

" یعنی قربانی تین دن ہے۔ اس کی سند میں باپ اور بیٹا جو اس اثر کو جنابِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں مجہول ہیں"۔

③ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتےہیں:" أيام النحر ثلاثة أيام". یعنی قربانی تین دن ہے۔اس کی سند میں ابو حمزہ ضعیف راوی ہے۔

④ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:" الأضحى يوم النحر ويومان بعده". اس کی سند بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اسماعیل بن عیاش اور عبد اللہ بن نافع یہ دونوں ضعیف راوی ہیں۔

ان آثار کے بارے میں علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ بھی نصب الرایہ میں لکھتے ہیں: "روي عن عمر وعلي وابن عباس انهم قالوا أيام النحر ثلاثة أفضلهاأولها۔ قلت غريب جداً".

⑤ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:" الاضحى ثلاثة أيام"۔ قربانی تین دن ہے۔

اس کی سند صحیح ہے لیکن ایک تو یہ صحابی کا قول ہے، مرفوع روایت نہیں نیز اس میں زیادتی کی نفی نہیں ہے۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"وان كان هذا إجماعًا فقد خالفه عطاء وعمر بن عبد العزيز والحسن البصرى والزهري أبو مسلمة بن عبد الرحمن وسليمان بن يسار وأف لكل إجماع خرج عنه هولاء ".[1]

" یعنی اس پر اجماع کا دعویٰ کرنا جس میں امام عطاء (استاذ ابو حنیفہ) عمر بن عبد العزیز ، حسن بصری، امام زہری ابو مسلمہ اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ اجمعین سے نامور ائمہ اس کی مخالف کریں۔ ایسا اجماع قابل رحم وقابل افسوس ہے"۔

صاحب نیل الاوطار نے بھی اس مسئلہ میں ترجیح جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت کو دی ہے۔جیساکہ انہوں نے فیصلہ کن انداز میں لکھا ہے:

"أرجحها المذهب الأول للأحاديث المذكورة في الباب وهي يقوى بعضها بعضًا".[2]

یعنی اس مضمون میں مذکورہ احادیث کی روشنی میں مذہبِ اول راجح ہے کیونکہ وہ تمام احادیث ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔

شیخ البانی رحمہ اللہ بھی جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں :

"والصواب عندي أنه لا ينزل عن درجة الحسن بالشواهد التي قبله ولاسيما وقد قال به جمع من الصحابة كما في شرح مسلم للنووي".[3]

یعنی میری تحقیق کے مطابق یہ روایت شواہد کی وجہ سے حسن درجہ سے کم

---

[1] المحلی باآثار جلد6/40-43

[2] نیل الاوطار:باب بیان وقت الذبح جلد5/149

[3] **سلسلة** الاحادیث **الصحيحة** :باب:2476جلد 621/5

نہیں ہے نیز صحابہ کی ایک جماعت بھی اس کی قائل ہے جیساکہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اس کی وضاحت کی ہے۔

مزید صاحب مرعاۃ المفاتیح بھی اسی موقف کے حق میں ہیں۔

شیخ عبد القادر الارنائووط اور شیخ شعیب الارنائووط بھی یہی تحقیق رکھتے ہیں جیساکہ شیخ امین صاحب حفظہ اللہ نے فتاویٰ الدین الخالص میں ذکر کیا ہے۔

سعودی عرب کی فتویٰ کمیٹی (لجنۃ دائمہ) نے بھی اپنے فتوے میں تحریر کیا ہے :"ينتهي الذبح بغروب الشمس اليوم الرابع فی أصح أقوال أهل العلم"۔[1]

قربانی کا انتہائی وقت چوتھے دن کے غروبِ آفتاب تک ہے۔

علماء اہل الحدیث میں اکثر فتاویٰ نویس کا فتاویٰ بھی مندرجہ بالا تحقیق کی روشنی میں یہی ہے۔

راقم نے شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ سے اس موضوع پر سوال کیا تو شیخ رحمہ اللہ کا یہی جواب تھا کہ روایت میں ضعف ہے چونکہ اس کی متعدد سندیں ہیں جس میں بعض کا ضعف بعض سے زائل ہوجاتا ہے اور مجموعی طور پر روایت قابل عمل ہوجاتی ہے۔

واضح رہے کچھ اہل تحقیق کا موقف قربانی کے حوالے سے صرف تین دن کا ہی ہے ان کے پاس بھی دلیل ہے جو کتب میں مذکور ہیں۔

ہم نے چوتھے دن کی قربانی کے حوالے سے جو گزارشات ضروری سمجھی اسے بقدر ضرورت تحریر کردیا ہے۔

ھذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

❁❁❁

---

[1] فتاویٰ **لجنة دائمه** للبحوث **العلمية** والافتاء ج: 11، ص: 405

محب العلم وخادم العلماء جناب اسماعیل ماہ پارہ دارِ فانی سے رخصت ہو گئے

إنا لله و إنا إليه راجعون

گذشتہ دنوں جماعتی حلقوں کو یہ خبر انتہائی افسردہ کر گئی کہ کراچی شہر کی ایک ممتاز شخصیت جناب اسماعیل ماہ پارہ وفات پا گئے، موصوف نے 84 برس کی عمر پائی۔ آپ کی نماز جنازہ وصیت کے مطابق فضیلۃ الشیخ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں عوام، طلباء واہل علم کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ موصوف نے اپنی عمر کا بڑا حصہ علم اور اہل علم کی خدمت کرتے بتایا، ان کا خاصہ تھا کہ علماء کرام کی خدمت کو اپنے لئے باعثِ صد افتخار سمجھتے تھے، اس لئے انہیں نامور اہل علم جن میں مولانا داؤد غزنوی، مولانا ابو بکر غزنوی، مولانا سلطان محمود، مولانا یوسف کلکتوی حافظ یحیٰ عزیز میر محمدی، علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہم اللہ اور معاصر علماء کرام میں حافظ صلاح الدین یوسف، ارشاد الحق اثری حفظہما اللہ ودیگر بلند پایہ شخصیات کی خدمت کا شرف حاصل رہا۔ جامعہ ابی بکر اسلامیہ کے افتتاح کے موقع پر امام کعبہ محمد بن عبد اللہ السبیّل جب کراچی تشریف لائے تو انہوں نے بھی آپ کے گھر کافی وقت قیام کیا اور میزبانی کا شرف بخشا۔ دینی اداروں سے مالی تعاون میں بھی آپ پیش پیش رہا کرتے تھے پاکستان بھر میں متعدد دینی اداروں کو آپ کی مالی معاونت حاصل تھی المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کی تمام کابینہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو غریقِ رحمت کرے، فردوس اعلیٰ میں مقام نصیب فرمائے۔ اور ان کی دین کی سربلندی و سرفرازی کیلئے کی جانے والی تمام ترکوششوں وکاوشوں کو قبول ومنظور فرمائے۔ تمام احبابِ جماعت سے جناب اسماعیل ماہ پارہ کیلئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

احکام و مسائل

عشرہ ذوالحجہ کے فضائل واعمال

عمران فیصل [1]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کائنات کی تمام مخلوقات کا تنہا خالق ومالک ہے اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے دوسروں پر فضیلت عطا فرمادیتا ہے ،اللہ تعالی نے اس امت پر اپنا خصوصی فضل کیا کہ اسے تمام امتوں میں آخری امت بنایااور اس کی رہنمائی کے لیے سب انسانوں میں سے افضل ترین انسان محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ نبی کریم ﷺ کی امت کو اللہ تعالی نے بہت سی ایسی خصوصیات عطا کی ہیں جو پہلے کسی امت کو نہیں دی گئی تھیں۔ان میں سے ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس امت کو اجر وثواب کے اعتبار سے باقی امتوں پر برتری حاصل ہے۔

سالم بن عبداللہ (بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمہاری مثال ان امتوں کے مقابلہ میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں، ایسی ہے جیسے نماز عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کہ تورات والوں کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل کیا، یہاں تک کہ دوپہر کا وقت آگیا تو وہ تھک گئے اور انہیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا اس کے بعد انجیل والوں کو انجیل دی گئی اور انہوں نے عصر کی نماز تک کام کیا پھر وہ تھک گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا، اس کے بعد ہم لوگوں کو قرآن دیا گیا اور ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا تو ہمیں دو دو قیراط دیئے گئے، اس پر دونوں اہل کتاب نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ان لوگوں کو دو دو قیراط دیئے اور ہمیں ایک ہی قیراط دیا، حالانکہ ہم کام کے اعتبار سے زیادہ ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: کہ کیا میں نے تمہاری مزدوری میں سے کچھ کم کیا؟ وہ بولے نہیں اللہ تعالی نے فرمایا، کہ یہ میرا فضل ہے جسے میں چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ [2]

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی، مدیر شعبہ رفاہی امور المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی۔

[2] صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 528

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس امت کے اجر وثواب کو بڑھانے کے لئے ایک طریقہ یہ رکھاہے کہ وہ بعض مہینوں اور ایام میں کسی نیک عمل کا اجر و ثواب بڑھاچڑھا کر دیتاہے۔ جیسا کہ لیلۃ القدر ہے جس کا اجر ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ رمضان میں عمرہ کرنے کا اجر حج کے برابر ہے، رات کے آخری اوقات ہیں، صبح وشام کے اوقات ہیں اور دیگر بہت سے اوقات ہیں اسی طرح بعض مقامات میں عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے زیادہ اجر رکھاہے، جیسا کہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی میں نماز ادا کرنے کا اجر دیگر تمام مساجد سے زیادہ ہے، یا بعض عبادات کے لیے عام مساجد کو زیادہ اجر کا باعث بنایاہے اور بعض دیگر مقامات کو بھی اللہ تعالی نے یہ شرف بخشا۔

اسی طرح ذی الحجہ کا ابتدائی عشرہ ان ایام میں سے ہے جن میں عملِ صالح کا اجر بہت بڑھ جاتاہے۔

قرآنِ کریم اور احادیث مبارکہ میں ان دس ایّام کی فضیلت میں متعدد دلائل موجود ہیں جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل مذکور ہیں۔

(1) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْفَجْرِ (1) وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ [1]

ترجمہ: ''قسم ہے فجر اور دس راتوں کی۔''

بعض مفسرین نے فجر سے عام فجر نہیں بلکہ یوم النحر یا عید الاضحیٰ کی فجر مراد لی ہے۔ [2]

اور دس راتوں سے ذی الحجہ کے مہینے کی پہلی دس راتیں مراد ہیں۔ [3] اور یہی قول ابن عباس، ابن زبیر، مجاھد، قتادہ، ضحّاک اور سدّی رحمۃ اللہ علیہم کا بھی ہے۔ [4] امام بغوی، جلال الدین سیوطی اور

---

[1] الفجر:1- 2

[2] تیسیر القرآن:4/637،تفسیر ابن کثیر:5/537

[3] تفسیر ابن کثیر:5/537، تیسیر القرآن:4/637۔

[4] تفسیر ابن کثیر:5/537۔

قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفاسیر میں یہی رائے اختیار کی ہے۔[1] نیز مزید شرح کرتے ہوئے شیخ السعدیؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فجر کی قسم کھائی ہے جو رات کا آخر اور دن کا مقدّمہ ہے، کیونکہ رات کے لوٹنے اور دن کے آنے میں ایسی نشانیاں ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ فجر کے وقت ایک نہایت فضیلت اور عظمت والی نماز ہوتی ہے جو اسکی اہل ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی قسم کھائے، اس لئے اسکے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اور صحیح قول کے مطابق یہ رمضان المبارک یا ذوالحجہ کی دس راتیں ہیں۔ ان راتوں میں ایسی عبادات وقربات واقع ہوتی ہیں جو دوسرے ایّام میں نہیں ہوتیں۔ ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں وقوفِ عرفہ ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مغفرت سے نوازتا ہے، جس سے شیطان غمگین ہوتا ہے۔ شیطان جس قدر حقیر اور دھتکارا ہوا عرفہ کے دن ہوتا ہے، اتنا حقیر اور دھتکارا گیا کبھی نہیں دیکھا گیا، کیونکہ اس روز وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر فرشتوں اور رحمتوں کو اترتے دیکھتا ہے۔ ان دنوں حج اور عمرے کے بہت سے افعال واقع ہوتے ہیں اور یہ اشیاء قابل تعظیم اور اس بات کی مستحق ہیں کہ انکی قسم کھائی جائے۔[2]

(2) سارے سال کیا گیا کوئی بھی نیک عمل ہو وہ ان دس دنوں کے کسی بھی نیک عمل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔

(عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من أيام العمل الصالح فيها أحب إلى الله من هذه الأيام يعني أيام العشر قالوا يا رسول الله ولا الجهاد في سبيل الله قال ولا الجهاد في سبيل الله إلا رجل خرج بنفسه وماله فلم يرجع من ذلک بشيء)[3]

---

[1] تفسیر البغوی: 4/481، تفسیر الجلالین، فتح القدیر 5/577۔

[2] تفسیر السعدی: 3/2944۔

[3] سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 666، جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 736، سنن ابن ماجہ: جلد اول: حدیث نمبر 1727۔

ترجمہ: ”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی نیک عمل کسی دن میں اللہ تعالی کو اتنا پسند نہیں جتنا ان دنوں میں پسند ہے یعنی ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں۔ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔ مگر وہ جہاد جس میں آدمی اپنا جان ومال لے کر نکلے اور پھر واپس نہ لوٹے (بلکہ وہیں شہید ہو جائے)۔“

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ باقی دنوں کا کوئی بھی نیک عمل ہو وہ ان دس دنوں کے کسی بھی نیک عمل سے اللہ سبحانہ وتعالی کے ہاں زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ جو اپنا مال اور اپنی جان اللہ کے دین پر لٹادے تو اس کا اجر ان دنوں کے عمل سے زیادہ ہے۔

(3) عشرہ ذی الحجہ کا نوّاں دن یومِ عرفہ کہلاتا ہے اور اس دن کے بارے میں الگ سے فضائل مذکور ہیں:

❶ **قال رجل من اليهود لعمر يا أمير المؤمنين لو أن علينا نزلت هذه الآية:{اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا} لاتخذنا ذلك اليوم عيدا، فقال عمر: "إني لأعلم أي يوم نزلت هذه الآية نزلت يوم عرفة في يوم جمعة".** [1]

ترجمہ: ”یہودیوں کا ایک آدمی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے امیر المومنین تمہاری کتاب میں ایک آیت کریمہ ہے جسے تم پڑھتے ہو اگر وہ آیت کریمہ ہم پر یعنی یہودیوں کے گروہ پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کون سی آیت کریمہ ہے؟ یہودی آدمی نے کہا {اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا} [2] تو سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اس دن کے بارے میں جانتا ہوں کہ جس دن یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس جگہ اور جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی وہ عرفات کا میدان اور

---

[1] صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 3030

[2] المائدہ : 3

جمعہ کا دن تھا۔ چنانچہ یہ یوم عرفہ کا دن ہی تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو مکمل فرمایا اور اہل اسلام پر اپنی نعمت کو پورا فرمایا۔"

❷ **عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما من يومٍ أكثر من أن يعتق الله فيه عبداً من النّار من يوم عرفة".** [1]

ترجمہ: "سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کوئی دن ایسا نہیں، کہ اس میں اللہ تعالیٰ عرفات کے دن سے زیادہ لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کرتا ہو۔" یعنی یہ وہ عظیم دن ہے کہ اس میں اللہ عزوجل سال کے سارے دنوں میں سے تمام دنوں کے مقابلے میں زیادہ تعداد میں لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزادی عطا فرماتا ہے۔"

④ عشرہ ذوالحجہ کے فضائل میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کا آخری اور دسواں دن "یوم النحر" [قربانی کا دن] ہے جس کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(إن أعظم الأيام عند الله تبارك وتعالى يوم النحر ثم يوم القر۔) [2]

ترجمہ: "اللہ عزوجل کے نزدیک مرتبہ میں بڑا دن یوم النحر [دس ذوالحجہ کا دن] ہے اور پھر یوم القر [کے معنی استقرار کے ہیں اس دن حجاج منیٰ میں قیام کرتے ہیں] ہے۔"

اعمالِ عشرہ ذوالحجہ

مذکورہ بالا آیات واحادیث کی رو سے ہم یہ جان چکے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک ان ایّام اور راتوں کی اہمیت وفضیلت کتنی زیادہ ہے تو اب یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ وہ کونسے اعمال ہیں جنہیں ان ایام میں کرنے کی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی ہے تاکہ ہم مزید اہتمام سے ربّ تعالیٰ کی خوشنودگی حاصل کرکے آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔

① حجِ مبرور:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] صحیح مسلم: جلد سوم:: حدیث نمبر 983

[2] سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 2

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾[1]

ترجمہ: ”اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو شخص اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو شخص اس حکم کا انکار کرے [وہ خوب سمجھ لے کہ] اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔“

اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

(عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الحجة المبرورة ليس لها جزاء إلا الجنة والعمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما)[2]

ترجمہ: ”ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا حج مبرور کا جنت کے علاوہ کوئی صلہ نہیں ہے اور ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ہونے والے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔“

حج وعمرہ یہ عشرہ ذوالحجہ کے افضل ترین اعمال ان مسلمانوں کیلئے ہیں جو انکی استطاعت رکھتے ہیں۔

2 یومِ عرفہ کا روزہ:

ان دس دنوں میں جو بھی عمل کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور ان دنوں میں سے خصوصاً یوم عرفہ [ذوالحجہ کی 9 تاریخ] کے روزے کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

(عن أبي قتادة الأنصاري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن صوم يوم عرفة فقال يكفر السنة الماضية والباقية)[3]

ترجمہ: ”سیدنا ابو قتادہ انصاری کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے عرفہ کے دن کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گزرے

---

[1] آل عمران: 97
[2] سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 533
[3] صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 253

ہوئے سال اور آنے والے سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔"

البتہ حجاج کرام یا جو لوگ اس دن میدان عرفات میں ہوتے ہیں، وہ اس دن روزہ نہیں رکھیں گے، [بلکہ انکے لئے روزہ چھوڑنا] مسنون ہے۔

(عن أم الفضل بنت الحارث أن ناساً تماروا عندها يوم عرفة في صوم النبي ﷺ فقال بعضهم هو صائم وقال بعضهم ليس بصائم فأرسلت إليه بقدح لبن وهو واقف على بعيره فشربه)[1]

ترجمہ: "اُم الفضل بنت الحارث سے مروی ہے کہ، کچھ لوگ ان کے پاس عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے روزے کے متعلق اختلاف کرنے لگے۔ بعض نے کہا کہ آپ ﷺ نے روزہ رکھا بعض نے کہا کہ روزہ نہیں رکھا۔ ام فضل نے دودھ کا ایک پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اس حال میں کہ آپ ﷺ اپنے اونٹ پر سوار تھے آپ نے اس کو پی لیا۔"

(3) دس ذوالحجہ [عیدالأضحی] کے دن قربانی کرنا:

أضحیہ یا قربانی: عیدالاضحی [یوم النحر] کے دن نماز عید کے بعد ایام التشریق کے آخری دن یعنی تیرہ ذوالحج کی شام تک چوپایوں [اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری] سے کسی بھی چوپائے کو اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کی نیّت سے ذبح کرنے کو "اُضحیہ یا قربانی" کہا جاتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسّلام کو قربانی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: { فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ } ترجمہ: تو آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز ادا کیجیے اور قربانی کیجیے۔

اور قربانی کرنے والے کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ:

(من كان له ذبح يذبحه فإذا أهل هلال ذي الحجة فلا يأخذنّ من شعره ولا من اظفاره شيئاً حتّى يضحّي)[2]

ترجمہ: "جس آدمی کے پاس (قربانی کا جانور) ذبح کرنے کے لئے ہو تو جب وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے تو وہ اس وقت تک اپنے بالوں اور ناخنوں کو نہ کٹوائے جب تک کہ

---

[1] صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1867
[2] صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 624

قربانی نہ کرلے"۔

بہت سے مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کی مخالفت کرتے ہیں اور قربانی کا ارادہ رکھنے کے باوجود عید کے لیے قربانی کرنے سے پہلے ہی اپنے بال کٹوالیتے ہیں، بلکہ بعض تو داڑھی کو بھی معاف نہیں کرتے جس کا کاٹنا یا مڈوانا باقی ایام میں بھی حرام ہے، اللہ تعالی انہیں اور ہم سب کو ہدایت دے۔[1]

4 کثرت سے تہلیل، تکبیر اور تحمید کہنا:

رسول اللہ کا فرمان ہے:

(ما من أيّام أعظم عندالله ولا أحبّ إليه العمل فيهنّ من هزه ايّام العشر، فاكثروا فيهنّ من التهليل والتكبير والتحميد)[2]

ترجمہ: "سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کوئی دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک ان دس دنوں سے زیادہ عظمت والا نہیں اور نہ ہی کسی دن کا عمل اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب ہے۔ پس تم ان دس دنوں میں کثرت سے تہلیل [لا إله إلا الله]، تکبیر [الله اکبر] اور تحمید [الحمد لله] کہا کرو۔"

سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم ان ایّام میں تکبیرات کا خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الصحیح" میں ذکر کیا ہے کہ:

(وقال ابن عبّاس: {وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ }[3] :أيام العشر، والأيام المعدودات:أيام التشريق وكان إبن عمر وأبو هريرة: يخرجان إلي السوق في أيام العشرِ يكبران، ويكبر الناس

[1] قربانی کے مزید احکام اس سے متعلقہ مقالہ میں ملاحظہ فرمائیں۔
[2] مسند أحمد ط الرسالة جلد10/ 296
[3] الحج: 28

بتكبيرهما،وكبر محمد بن علي خلف النافلة)

ترجمہ: ''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رب تعالیٰ کے اس فرمان سے متعلق بیان فرمایا'' اور معلوم دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کریں'' ان معلوم دنوں سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ ''ان دس دنوں میں سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما تکبیر پکارتے ہوئے بازار میں نکلتے، اور لوگ بھی ان کے ساتھ تکبیر کہنا شروع کر دیتے۔ محمد بن علی رحمہا اللہ تعالیٰ نفلی نماز کے بعد تکبیر کہتے۔''[1]

رب کریم کی طرف سے عشرہ ذوالحجہ اہل ایمان کیلئے اجر وثواب حاصل کرنے کا عظیم الشان اور سنہری موقع ہے کہ ان دنوں میں کی گئی معمولی نیکی بھی دوسرے دنوں کی اعلیٰ نیکیوں سے افضل ہے، حق تو یہ ہے کہ ان دنوں کے لمحہ لمحہ کا حساب کیا جائے اور ہر سیکنڈ کو بھی کسی نیکی کے بغیر نہ گزرنے دیا جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں عملِ صالح کا لفظ ذکر ہوا ہے جس میں ہر وہ عمل شامل ہے جو اللہ تعالی کو راضی کرنے کا سبب ہو جیسے نماز، روزہ، عمرہ، جہاد، طواف بیت اللہ، صدقہ، تلاوت، ذکر، تسبیح و تمہید، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، مسجد میں بیٹھنا، دین سیکھنا اور سکھانا، والدین کی خدمت، صلہ رحمی اور لوگوں میں صلح صفائی کرانا اور دیگر تمام نیک اعمال ان دس دنوں میں اللہ کے ہاں باقی دنوں کی نسبت زیادہ محبوب ہیں۔

امام دارمی رحمہ اللہ نے سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے: جب عشرہ ذوالحجہ داخل ہو جاتا تو سعید بن جبیر رحمہ اللہ تا حد استطاعت بہت زیادہ عبادت کرتے۔[2]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب العیدین: 11 باب فضل العمل فی ایّام التشریق۔

[2] سنن دارمی جلد357/1، صحیح الترغیب و صحیح الترھیب جلد 31/2۔

احکام و مسائل

محرم الحرام کے فضائل واحکام

تحریر: فضیلۃ الشیخ صالح المنجد

مترجم: جمشید سلطان[1]

بلاشبہ اللہ کا مہینہ محرم عظیم اور مبارک مہینہ ہے یہ ہجری سال کا پہلا مہینہ بھی ہے اور ان حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ﴾[2]

ترجمہ: ''مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت و ادب کے ہیں یہی درست دین ہے تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔''

پیارے نبی ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: سال کے بارہ مہینوں میں سے چار حرمت والے ہیں تین بالترتیب ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب جو جمادی الآخر و شعبان کے درمیان میں ہے۔[3]

محرم الحرام کو محرم اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ حرمت والا مہینہ ہے اس میں حرمت کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے

﴿فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ﴾[4]

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی

[2] توبہ: 36

[3] بخاری: حدیث نمبر: 2958

[4] توبہ: 36

ترجمہ: ''تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ کیونکہ ان مہینوں میں گناہ کی سنگینی دوسرے مہینوں کے مقابلے میں زیادہ ہو جاتی ہے۔''

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''پورے سال گناہوں سے کنارہ کش رہو پھر ان چار مہینوں کو بطور خاص ذکر کر کے انہیں حرمت والا کہہ کر انکی حرمت وعظمت اور زیادہ بڑھا دی گئی ہے۔ اور ان میں گناہ کو گناہ عظیم اور اعمال صالحہ کو بھی عظیم قرار دیا گیا ہے۔

قتادۃ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: بے شک حرمت والے مہینوں میں گناہ نسبتا دوسرے مہینوں کہ بہت بڑا ظلم اور عظیم گناہ ہوتا ہے دراصل گناہ ہر حال میں ہی بڑا ہوتا ہے مگر اللہ جسے چاہے عظمت بخش دے، جیسا کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بہترین لوگوں کا انتخاب فرمایا ایسے ہی فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کو منتخب فرمایا اور کلام میں سے اپنے ذکر کو منتخب کیا اور زمین میں سے مساجد کو، مہینوں میں سے رمضان اور حرمت والے مہینوں کو، دنوں میں سے جمعہ کے دن کو، راتوں میں سے لیلۃ القدر کو اختیار کیا۔ تو لازم ہے کے جن چیزوں کو اللہ نے عظمت بخشی ان کی تم بھی تعظیم کرو، کیونکہ اہل علم وعقل کے نزدیک عظمت صرف انہیں حاصل ہے جنہیں اللہ نے عظمت بخشی ہے۔[1]

سیدنا ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''رمضان کے بعد افضل ترین روزے اللہ کے حرمت والے مہینوں کے ہیں۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ان مہینوں کی نسبت اللہ کی طرف نسبت تعظیمی ہے۔[3]

قاری اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں اس حدیث میں محرم سے مراد چاروں حرمت والے مہینے ہیں۔

---

[1] ملخص من تفسير ابن كثير

[2] مسلم: حدیث نمبر 1982

[3] شرح صحيح مسلم للنووي

یہ بات معلوم ہے کہ پیارے رسول ﷺ نے رمضان کے سوا کسی مہینے میں پورے روزے نہیں رکھے،اس حدیث میں ترغیب دلائی گئی ہے کثرت کے ساتھ روزوں کی نہ کہ پورے مہینے کے روزوں کی۔

✯ اللہ زمان و مکان میں سے جسے چاہے اختیار فرماتا ہے:

امام العز بن عبد السلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اوقات وزماں کی فضیلت دو طرح کی ہوتی ہے ایک دنیاوی دوسری دینی۔دینی وہ ہے جو اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر احسان (دہرے ثواب) کی صورت میں ہوتی ہے

جس طرح رمضان کی فضیلت دیگر مہینوں پر ہے اسی طرح عاشوراء کے دن کی فضیلت دیگر ایام پر ہے۔[1]

✯ یوم عاشوراء تاریخ کی نظر میں:

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود کو عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے پایا،تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا یہ کیا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ عظیم دن ہے،اس دن اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون سے نجات دلائی تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں سے زیادہ موسیٰ (علیہ السلام) کا حق دار ہوں، لہذا آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا۔[2]

آپ ﷺ کی بعثت سے قبل عاشوراء کے دن کا روزہ معروف تھا،ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:" جاہلیت کے دور میں بھی عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا جاتا تھا"۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :"ہوسکتا ہے قریش اس دن کو پچھلی شریعتوں سے

---

[1] قواعد الأحكام 1/38

[2] البخاري :حديث نمبر 1865

جوڑتے ہوں جیسے اپنا تعلق ابراہیم علیہ السلام سے"۔

✯ عاشوراء کے دن کے روزے کی فضیلت:

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنی ترغیب رمضان اور عاشوراء کے دن کے روزوں کی دی ہے میں نے اتنی ترغیب کسی اور دن کے لئے نہیں پائی"۔ [1]

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشوراء کے متعلق فرمایا:

"مجھے اللہ سے امید ہے کہ پچھلے سال کے گناہ معاف کر دئے جائیں۔ [2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "(یہ روزے) پچھلے سال کے تمام گناہوں کا کفارہ ہیں سوائے گناہ کبیرہ کے۔" مزید فرماتے ہیں: "اگر صغیرہ گناہ ہیں تو کفارہ ہو جائیں گے اور اگر نہیں تو انشاءاللہ درجات میں بلندی کا باعث ہوں گے ،اور اگر صغیرہ گناہ نہ ہوں صرف کبیرہ گناہ ہوں تو اللہ سے امید ہے اس میں بھی کمی کی جائے گی۔ [3]

الحمدللہ ! اللہ تعالٰی کا ہم پر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمیں ایسا دن عطا کیا جس کے روزہ سے پچھلے سال کے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔ بلا شبہ اللہ عظیم فضل کرنے والا ہے۔

✯ عاشوراء کا دن کون سا ہے؟:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عاشوراء (دسواں) اور تاسوعاء (نوواں) دو ملتے جلتے نام ہیں، عاشوراء محرم کا دسواں دن ہے اور تاسوعاء محرم کا نواں دن ہے۔ یہی رائے جمہور اہل علم کی ہے [4]

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : "عاشوراء محرم کا دسواں دن ہے، یہی قول سعید بن المسیب رحمہ اللہ اور حسن رحمہ اللہ کا ہے۔

---

1. البخاری: حدیث نمبر 1867
2. مسلم: حدیث نمبر:1976
3. المجموع 382/6
4. المجموع 383/6

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: " اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محرم کے دسویں دن کے روزے کا حکم دیا " ۔ [1]

✯ دس محرم الحرام کے ساتھ نو محرم الحرام کے دن کا روزہ رکھنا مستحب ہے:

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> " اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن کی تو یہود و نصاری تعظیم کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ: " اگر اللہ نے چاہا تو ہم نویں دن کا روزہ بھی رکھیں گے، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگلے سال سے پہلے ہی وفات پاگئے ۔ [2]

امام شافعی، امام احمد اور امام اسحق رحمہا اللہ فرماتے ہیں: " نو محرم الحرام اور دس محرم الحرام دونوں دن کا روزہ رکھنا مستحب عمل ہے [3] کیونکہ دسویں دن کا روزہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا اور نویں دن کی نیت کی۔

✯ عاشوراء کے دن کے مراتب:

1. صرف دسویں دن کا روزہ۔
2. دسویں دن کے ساتھ نویں دن کا روزہ۔
3. دسویں دن کے ساتھ گیارھویں دن کا روزہ۔
4. اس مہینے میں کثرت کے ساتھ روزے رکھنا مستحب عمل ہے۔

✯ نو محرم الحرام کے روزے کی حکمت:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " ہمارے بعض علما کہتے ہیں، نو محرم الحرام کے دن روزہ

---

[1] سنن ترمذی: حدیث نمبر: 755

[2] صحیح مسلم : 797/2، حدیث نمبر : 1134

[3] سنن ترمذی تحقیق شاکر: 3/ 120 ، حدیث نمبر 755

رکھنے کی کئی ایک حکمتیں ہوسکتی ہیں۔

❶ مزید ایک دن روزہ رکھ کر یہود ونصاری کی مخالفت۔

❷ دس محرم الحرام کے ساتھ ایک دن اور ملانا جیسے جمعہ کے ساتھ ایک دن ملانے کا حکم ہے۔

❸ دسویں دن کی احتیاط اس اندیشہ سے کہ کہیں چاند دیکھنے میں غلطی نہ ہوگئی ہو۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ان میں سب سے قریب از احتیاط قول یہود ونصاری کی مخالفت کا ہے"۔[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے یہود ونصاری کی مشابہت سے منع فرمایا ہے اس کی مثالیں کئی ایک احادیث میں ملتی ہے۔ مثلاً دس محرم الحرام کے دن کے متعلق فرمایا: "اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو ہم نویں دن کا روزہ بھی رکھیں گے"۔[2]

✯ صرف دس محرم الحرام کے دن کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "دس محرم کے دن کا روزہ ایک سال کا کفارہ ہے، صرف دس محرم کا روزہ رکھنے والے پر کوئی حرج نہیں ہے"۔[3]

ابن حجر الھیتمی رحمہ اللہ تحفۃ المحتاج میں کہتے ہیں: صرف عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔[4]

✯ اگر مہینے کی ابتدا میں شک ہو جائے تو کیا کریں؟

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر مہینے کی ابتدا میں شک ہو جائے تو نو، دس اور گیارہ تین

---

[1] فتح الباري لابن حجر: 4/ 245

[2] الفتاوى الكبرى لابن تيمية: 6/ 175

[3] الفتاوى الكبرى لابن تيمية: 5/ 378

[4] تحفة المحتاج في شرح المنهاج وحواشي الشرواني والعبادي: 3/ 455

دن کے روزے رکھے جائیں تاکہ نو اور دس کی تاریخ کا یقین حاصل ہو جائے "۔[1]

تنبیہ: روزہ کا ثواب انسان کو کسی دھوکے میں مبتلا نہ کردے۔

بعض لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ دس محرم الحرام کا اور عرفہ کا روزہ رکھ لیا تو یہ تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں اور پھر اعمال صالحہ کی کوشش ترک کر دیتے ہیں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مغرور لوگ یہ نہیں جانتے کہ رمضان کے روزے، پانچ نمازیں، یوم عرفہ و عاشورہ سے کہیں زیادہ عظیم المرتبہ اعمال ہیں جن سے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں بشر طیکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔ جیسا کہ رمضان سے رمضان، جمعہ سے جمعہ درمیان کے دنوں کا کفارہ ہیں ان میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ اکیلے ہی کفارہ بن جائیں جب تک کبیرہ گناہوں سے نہ بچا جائے، جب یہ دونوں باتیں یکجا ہو جائیں تو یہ کفارہ ہو سکیں گے۔

بعض لوگ اس دھوکے میں مبتلا رہتے ہیں کہ ان کے اعمال صالحہ ان کے گناہوں سے زیادہ ہیں یہ صرف اس لیے کہ یہ لوگ اپنے گناہوں کو شمار میں ہی نہیں لاتے اور اگر نیک عمل کر لیں تو انہیں شمار کر لیتے ہیں۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی آدمی نے سو سو مرتبہ سبحان اللہ اور استغفر اللہ کی تسبیح کر لی پھر دن بھر غیبتوں میں لگا رہا اور لوگوں کی عزتوں پر کیچڑ اچھالتا رہا اسطرح کے لوگ اپنی تسبیحات کو گنتے رہتے ہیں اور اپنی لغو باتوں سے صرف نظر کر لیتے ہیں یہی چیز در حقیقت انکے دھوکے کی بنیاد ہے۔[2]

محرم الحرام میں مروجہ بدعات:[3]

اللہ رب العزت نے اس مہینے کو بڑا محترم ٹھہرایا ہے مگر بعض لوگوں نے اسے سوگ و غم کے لئے مقرر کر دیا ہے، ہماری دین سے دوری اور علم کی کمی نے اس مہینے کی اصل صورت بگاڑنے میں برابر کا کردار ادا کیا ہے۔ لہذا سادہ لوح مسلمانوں کی اکثریت بھی اسی گمراہ گروہ کی

---

[1] المغني لابن قدامة: 3/ 178

[2] الداء والدواء : 25

[3] محرم الحرام کی بدعات کا حصہ مترجم جمشید سلطان کا مرتب کردہ ہے۔

ہی روش پر چل نکلی ہے جس کی تمام عبادات کا خلاصہ اور نچوڑ خود کو مارنا اور مختلف اقسام کے دستر خواں سجانا ہے۔اس مہینے میں جو رائج بدعات و خرافات ہیں ان میں سے چند کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

1. محرم کے دنوں میں سیاہ لباس پہننے کا اہتمام کرنا۔
2. گلی کوچوں اور بازاروں و گھروں میں تعزیے نکالنا۔
3. چوکوں اور راستوں میں پانی، دودھ حلیم کی سبیلیں لگانا۔
4. مبالغہ آمیز انداز میں رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صبر و ضبط کا تمسخر اڑاتے ہوئے انہیں ماتم کرنے والا ظاہر کرنا۔
5. چارپائیوں کو الٹا کرنا اور ننگے پاؤں پھرنا۔
6. اس مہینے میں شادی بیاہ ودیگر خوشی کے کاموں پر مستقل پابندی لگا کر سوگ منانا۔
7. تعزیہ، جلوس نکالنا، اور ماتم وسینہ کوبی کرنا یا پھر قبرستان جانا اور قبروں کی لیپا پوتی کرنا۔
8. غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز کرنا، مخصوص انداز میں ذوالجناح (گھوڑا) نکالنا اور اس سے تبرک حاصل کرنا اور یہ سمجھنا کے اس کے نیچے سے گزرنے والا بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

جیسے ہی محرم کا مہینہ شروع ہوتا ہے بازاروں و گھروں میں شہادت حسین کے حوالے سے رلا دینے والی تقاریر لگائی جاتی ہیں۔ جبکہ یہ محض آپ ﷺ کے اہل بیت اطہار کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے اس خاندان کے لوگ تو صبر و ہمت کا پیکر تھے، تحمل و برداشت کے چشمے آپ ہی کے گھر سے پھوٹے، شہادت تو ایک انمول تحفہ ہے جو اللہ کی طرف سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔اسلام کا چہرہ شہیدوں کے لہو سے ہی تروتازہ ہے،اسے اپنے غم و حزن کا سبب بنانا اللہ کی نعمتوں کی توہین ہے۔کیا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کم دردناک تھی؟ کیا سیدنا خبیب وحبیب رضی اللہ عنہما کی شہادت کی کوئی حیثیت نہ تھی؟ کیا ہم سیدہ سمیّہ رضی اللہ عنہا کو فراموش کر گئے جنہیں ان کی شرم گاہ میں نیزہ مار کر انتہائی بے دردی سے شہید کیا گیا! لیکن ان تمام شہادتوں پر نہ مرثیئے بنے! نہ ماتم کیا گیا! نہ ہی درد و کرب کی داستانیں ہماری محافل کا حصہ بنیں۔تاریخ کی

مشہور کتاب تاریخ اسلام از اکبر نجیب آبادی کی جلد سوئم میں لکھا ہے کہ ۳۵۲ھ معزالدولہ نے حکم دیا کہ ۱۰ محرم کو شہادت حسین کے غم میں خرید و فروخت کو ترک کر کے سوگ کا لباس پہنا جائے اور ماتم و گریہ زاری کی جائے اسی دور سے مرد اور عورتیں منہ اور چھاتیاں پیٹتے ہوئے نکلیں۔ مگر علماء حق نے اس غیر شرعی رسم کو قبول نہیں کیا۔ بر صغیر کے مسلمانوں نے جس دردناک انداز میں واقعہ کربلا کی تصویر کشی کی ہے وہ ایک فن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ جو جس کے ذہن میں آیا شہادت حسین کے ساتھ منسوب کر دیا جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

آج کا نام نہاد مسلمان محرم الحرام کے حوالے سے ایسے کام کرتا ہے جن کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ بات عقل سمجھنے سے قاصر ہے کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے حلوہ و کھیر، حلیم، شربت و دودھ کا کیا تعلق ہے؟ جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس دن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو پانی بھی نہ ملا اس لئے آج کوئی بھی بھوکا و پیاسا نہ رہے وغیرہ وغیرہ۔۔۔ آخر یہ کہاں کی محبت ہوئی کہ وہ تو بھوکے پیاسے رہے اور ہم نذر و نیاز سے پیٹ بھریں؟ کیا اہل کربلا نے ایسے کام کیے تھے؟ کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ سنت تھی؟ جواب یقینا نفی میں ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو محرم میں روزہ کو پسند کرتے تھے۔

(عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ، شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ،)[1]

ترجمہ: "سیدنا ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ تعالیٰ کے حرمت والے مہینوں کے ہیں۔ محرم کے دنوں میں روزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افضل ترین عمل قرار دیا ہے، تو کتنے دکھ کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے روزہ رکھا اور ہم اس دن خوب پیٹ بھر کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کر کے بھی ثواب کی امید کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے روکنے کا سبب بھی بنتے ہیں۔ اور تو اور محرم کے مہینہ کو

---

[1] صحیح مسلم: 2/ 821، حدیث نمبر: 1163

سوگ کا مہینہ قرار دے کر خوشیوں کو حرام قرار دیا جاتا ہے اور شادی بیاہ جیسے مبارک عمل کو بھی منحوس ٹھرایا جانا کہاں کا انصاف ہے؟ ہمیں شریعت سازی کی اجازت کس نے دی ہے؟ شریعت نے میت کا سوگ تین دن مقرر کیا ہے کسی مرد و عورت کے لیے اس سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے۔''

حدیث میں آتا ہے:

(عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَتْ: لَمَّا جَاءَ نَعْيُ أَبِي سُفْيَانَ مِنَ الشَّأْمِ، دَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا بِصُفْرَةٍ فِي اليَوْمِ الثَّالِثِ، فَمَسَحَتْ عَارِضَيْهَا، وَذِرَاعَيْهَا، وَقَالَتْ: إِنِّي كُنْتُ عَنْ هَذَا لَغَنِيَّةً، لَوْلاَ أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لاَ يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ، أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاَثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ، فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا)[1]

ترجمہ: ''سیدہ زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب ملک شام سے ابو سفیان کے فوت ہونے کی خبر آئی تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے تیسرے دن زرد خوشبو منگوا کر اپنے رخساروں اور بازوں پر لگائی اور فرمایا مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے البتہ خاوند پر چار مہینے اور دس دن سوگ کرے گی۔''

ایک اور روایت میں ہے۔

(تُوُفِّيَ ابْنٌ لِأُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَلَمَّا كَانَ اليَوْمُ الثَّالِثُ دَعَتْ بِصُفْرَةٍ، فَتَمَسَّحَتْ بِهِ، وَقَالَتْ: «نُهِينَا أَنْ نُحِدَّ أَكْثَرَ مِنْ ثَلاَثٍ إِلَّا بِزَوْجٍ»)[2]

ترجمہ: ''ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا فوت ہو گیا تیسرے دن آپ نے زرد خوشبو منگوا کر اپنے بدن پر لگائی اور کہا کہ ہمیں خاوند کے سوا کسی کا تین دن سے زیادہ سوگ

---

[1] صحیح بخاری: 2/ 78، حدیث نمبر1280:

[2] صحیح بخاری: 2/ 78، حدیث نمبر:1279

منانے سے منع کیا گیا ہے۔"

اگر کسی کی موت کا غم اتنے سال کے بعد منانا جائز ہوتا تو آپ ﷺ کی وفات کا غم منایا جاتا، سیدنا حمزہ کی شہادت کا منایا جاتا۔ نہ تو آپ ﷺ اور نہ ہی صحابہ نے یہ اعمال کئے کیا ان لوگوں کو دکھ نہیں تھا یا وہ وفادار نہ تھے؟ یا وہ لوگ محبت کے طریقے نہیں جانتے تھے؟

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں حق کو سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور باطل کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے بیشک وہ دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہے (آمین)

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

علم وراثت

تقسیم مال میں پائی جانے والی زیادتیاں اور ان کا شرعی حکم

فضیلۃ الشیخ محمد طاہر باغ [1]

اس دنیا میں انسان کیلئے سب سے بڑا فتنہ مال ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے کہ:

"لا تزول قدم ابن آدم یوم القیامة من عند ربه حتی یسأل عن خمس عن عمره فیم أفناه وعن شبابه فیم أبلاه و ماله من أین اکتسبه و فیم أنفقه و ماذا عمل فیما علم"۔ [2]

ترجمہ: ''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کسی شخص کے قدم اللہ رب العزت کے پاس سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک پانچ چیزوں کے بارے میں اس سے باز پرس نہ کرلی جائے عمر کس کام میں صرف کی؟ جوانی کیسے گذاری؟ مال کہاں سے کمایا؟ مال کہاں خرچ کیا؟ جو کچھ سیکھا اس پر کتنا عمل کیا؟۔''

ان پانچ چیزوں میں مال وہ واحد چیز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ دو طرح سے سوال کرے گا: " من أین اکتسبه و فیم أنفقه "یعنی کمایا کیسے تھا؟ اور خرچ کیسے کیا؟ یہ خرچ عام بھی ہوتا ہے اور خاص بھی جو انسان اپنی اولاد پر کرتا ہے تو اس خرچ میں کبھی انسان کا نفسی میلان اپنی اولاد میں سے کبھی کسی بیٹے یا بیٹی (یا کسی اور عزیز) کی طرف زیادہ ہوتا ہے اس لئے اسکی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس بیٹے یا بیٹی کو دوسرے بیٹوں یا بیٹیوں پر فوقیت دے کیونکہ وہ ظاہری طور پر اپنے اس بیٹے میں صلاحیتیں اور خصوصیات دیکھ رہا ہوتا ہے کہ یہ میرا بیٹا دوسروں کی بہ نسبت زیادہ سود مند ثابت ہو سکتا ہے حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس فکر کی نفی فرمائی ہے۔ فرمایا:

---

[1] مدرس جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی

[2] سنن ترمذی: حدیث نمبر: 305

﴿آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ [1]

ترجمہ: ''تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے۔''

دنیا میں بھی ہم نے مشاھدہ کیا ہے کہ اکثر اوقات اسکے برعکس ثابت ہوتا ہے کہ جس بیٹے سے زیادہ توقعات ہوتی ہیں وہی زیادہ تکلیف کا باعث بنتا ہے۔اس لئے ہمیں شریعت نے عدل کا درس دیا ہے کہ ہم اپنی اولاد کے درمیان عدل کریں جیسا کہ حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اس پر واضح دلالت کرتی ہے۔

''عن النعمان بن بشير رضي الله عنهما: "أن أباه أتى به رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هذا غلاما كان لي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أكل ولدك نحلته مثل هذا؟ فقال: لا . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فارجعه . وفي لفظ: فانطلق أبي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يشهده على صدقتي فقال: أفعلت هذا بولدك كلهم؟ قال: لا، قال: "اتقوا الله، واعدلوا بين أولادكم، فرجع أبي فرد تلك الصدقة". [2] وفي رواية لمسلم: قال: فأشهد على هذا غيرى، ثم قال: أيسرك أن يكونوا لك في البر سواء؟ قال: بلى، قال: فلا إذن".'' [3]

ترجمہ: '' سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لیکر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمانے لگے کہ: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام بطور تحفہ دیا ہے۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اپنی سب اولاد کو اس طرح تحفہ دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے واپس لے لو۔''

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ: میرے ابو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گئے تاکہ آپ کو اس تحفہ پر گواہ بنا سکیں۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے یہ معاملہ اپنے تمام بچوں

---

[1] النساء: 11

[2] متفق عليه

[3] صحيح مسلم .

کے ساتھ کیا ہے ؟انہوں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے مابین عدل کیا کرو۔(یہ سن کر) میرے ابو لوٹ گئے اور وہ صدقہ اور تحفہ واپس لے لیا۔"

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تو تم اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنالو، پھر فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری تمام اولاد فرمانبردار ہو، فرمایا: کیوں نہیں۔ فرمایا: تب ایسا نہ کرو۔(یعنی ایک کو دے دو اور دوسروں کو محروم کر دو)۔

اب اس حدیث میں بالکل واضح فرد یا کہ جس طرح ایک والد یہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد سب کی سب اس کی فرمانبرداری کرے تو اسے چاہیئے کہ مال کی تقسیم میں عدل کرے کیونکہ اگر عدل نہ کیا گیا تو یہ عمل دوسروں کو نافرمان بنادے گا۔

مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے تعلیم دی کہ تقسیمِ مال کے وقت ہم اپنی اولاد کے درمیان مساوات پیدا کریں وگرنہ یہ ان پر ظلم ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ظلم پر گواہ مت بناؤ۔ اگر کچھ اولاد کو نوازا جائے اور اور کچھ کو محروم رکھا جائے تو اس کے نتیجے میں ان کے مابین منافرت پیدا ہوگی اور باپ بیٹے کے رشتے میں بھی سقم اور کمزوری پیدا ہوگی جسکا ہمارے معاشرے میں بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

مال چونکہ ایسا عظیم فتنہ ہے کہ اس سے بھائی بھائی کا، باپ بیٹے کا اور بیٹا باپ کا دشمن ہو جاتا ہے۔ خاندان کے خاندان اجڑ جاتے ہیں اسی رسا کشی میں کہ ہمیں زیادہ مل جائے دوسروں کو کم، اس نازک صورت حال کے پیشِ نظر اسلام نے تقسیمِ مال سے متعلق انتہائی رہنما اصول وضع کئے ہیں جن کی پیروی کرتے ہوئے انسان نہ صرف دنیاوی واخروی سعادت حاصل کرلیتا ہے، بلکہ اولاد اور خاندان کے مابین ہونے والے مالی تنازعات کا تصفیہ بھی بخوبی ہو جاتا ہے۔

تقسیمِ مال کے حوالے سے اسلام کا نظامِ وراثت ایسا عادلانہ نظام ہے جسکی مثال دوسری امتوں اور غیر اسلامی نظاموں میں نہیں ملتی۔ اسلامی نظام وراثت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود ورثاء کا بھی تعین کیا ہے اور ان کے حصوں کا بھی اور بعد میں فرمایا کہ " اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے"۔ یعنی وہ جانتا ہے کہ کون زیادہ فائدہ مند ہے اور رب کی تقسیم حکمت پر مبنی

ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾[1]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تاکیداً حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ اگر اولاد میں صرف لڑکیاں ہی ہوں اور وہ دو سے زائد ہوں تو ان کا ترکہ سے دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک ہی ہو تو اس کا ترکہ کا نصف حصہ ہے۔ اگر میت کی اولاد بھی ہو اور والدین بھی تو والدین میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف والدین ہوں تو ماں کا تہائی حصہ ہے اور اگر اس کے بہن بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے اور یہ تقسیم میت کا قرضہ اور اس کی وصیت ادا کرنے کے بعد ہوگی۔ تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ تمہیں فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے تمہارے والدین اور تمہاری اولاد میں سے کون تمہارے قریب تر ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حصے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے''۔

نیز فرمایا:

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ

---

[1] النساء: 11

كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ . تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ﴾[1]

ترجمہ:" اور تمہاری بیویوں کی اگر اولاد نہ ہو توانکے ترکہ سے تمہارا نصف حصہ ہے اور اگر اولاد ہو تو پھر چوتھا حصہ ہے۔ اور یہ تقسیم ترکہ ان کی وصیت کی تعمیل اور ان کا قرضہ ادا کرنے کے بعد ہو گی۔ اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو بیویوں کا چوتھا حصہ ہے اور اگر اولاد ہو تو پھر آٹھواں حصہ ہے اور یہ تقسیم تمہاری وصیت کی تعمیل اور تمہارے قرضے کی ادائیگی کے بعد ہو گی۔ اگر میت کلالہ ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور اس کا ایک بھائی اور ایک بہن ہو توان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر بہن بھائی زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی حصہ میں شریک ہوں گے اور یہ تقسیم میت کی وصیت کی تعمیل اور اس کے قرضہ کی ادائیگی کے بعد ہو گی۔ بشرطیکہ اسکے قرضہ کی ادائیگی یا وصیت کی تعمیل میں کسی کو نقصان نہ پہنچ رہا ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حصے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور بردبار ہے"۔

پھر رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾[2]

ترجمہ:" لوگ آپ سے کلالہ کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے کہئے

---

[1] النساء: 12، 13

[2] النساء:176

کہ :"اللہ تمہیں اس بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص لاولد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہی ہو تو اسے ترکہ کا نصف ملے گا۔ اور اگر کلالہ عورت ہو (یعنی لاولد ہو) تو اس کا بھائی اس کا وارث ہو گا۔ اور اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور کئی بہن بھائی یعنی مرد اور عورتیں (ملے جلے ہوں) تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تمہارے لیے یہ وضاحت اس لیے کرتا ہے کہ تم بھٹکتے نہ پھرو۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تقسیم کو حدود قرار دیا اور جو شخص حدود کی پاسداری کرے گا وہ کامیاب ہو گا اور جو ان حدود میں تجاوز کرے گا نامراد ہو گا۔

مندرجہ بالا آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر حقدار کا حق بیان کر دیا ہے تاکہ ظلم وزیادتی کے پہلو کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں کم علمی، اور دین سے دوری کے باعث زندگی کے بیشتر مقامات پر ان تعلیمات سے انحراف پایا جاتا ہے۔ ذیل میں چند ایسے امور بیان کئے جا رہے ہیں جو ہمارے معاشرے میں رائج ہیں، لوگوں کی ایک بڑی تعداد ان پر عمل پیرا ہے لیکن شرعی نقطہ نگاہ سے وہ اعمال ظلم وزیادتی اور شریعت کی نافرمانی کے زمرے میں آتے ہیں۔

وصیّت:

وصیت بذات خود ایک جائز اور مشروع عمل ہے۔ لیکن شریعت نے اس کی چند حدود وقیود متعین فرمائی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں متعدد لوگ اس حق کو استعمال کرتے وقت غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شریعت نے وصیت کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس کے لئے دو شرطیں متعین کی ہیں وصیت کرتے وقت ان کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

پہلی شرط: وصیت وارث کیلئے نہیں ہونی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث۔“[1]

ترجمہ: ”اللہ تعالی نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے (یعنی آیت میراث میں ہر ایک کا حصہ مقرر کردیا) لهذا اب وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے۔“

دوسری شرط: وصیت کل مال کے ایک تہائی [1/3] سے زیادہ نہ ہو۔

اگر کوئی شخص اپنے مال سے متعلق کسی کیلئے وصیت کرتا ہے، تو وہ ایک تہائی تک ہونی چاہئے یا اس سے کم، ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں۔

زندگی میں جائداد کی تقسیم میں ظلم کا پہلو پایا جانا:

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جب وہ اپنی زندگی میں ہی اپنی دولت کی تقسیم کرتے ہیں تو اپنی اولاد میں سے بیٹیوں کو جائداد سے محروم رکھتے ہیں، یا بیٹوں میں سے چند پر خوب مہربان ہوتے ہیں انہیں نوازدیتے ہیں جبکہ بعض کو محروم رکھتے ہیں۔ اور عذر یہ بتاتے ہیں کہ فلاں فلاں سے زیادہ ہمارے لئے بہتر ہے۔ وہ ہمارا فرمانبردار ہے، ہمارے کاروبار کو سنبھالتا ہے، ہمیں اس سے زیادہ محبت ہے، ہمارے لئے وہ زیادہ فائدہ مند ہے۔ یہ آج کی سوچ ہے لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو بالکل یہی سوچ ایام جاہلیت میں مشرکین کی ہوا کرتی تھی کہ وہ لوگ اپنی اولاد میں صرف طاقتور اور کام آنے والے بیٹوں میں جائداد اور وراثت تقسیم کرتے تھے۔ بوڑھوں، بچوں ،اور عورتوں کو محروم کردیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: ہم وراثت کا حق صرف اسے دیں گے جو گھڑ سواری کا ماہر ہو، غنیمت سمیٹنے والا ہو، کنبے قبیلے کی حفاظت کرنے والا ہو، لیکن اسلام نے اس سوچ کو بالکل تبدیل کیا اور ہر ایک کو وراثت سے حق دیا، چاہے وہ طاقت ور ہو یا ضعیف و کمزور ہو۔ حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ میں یہی مذکور ہے، ہاں اگر زندگی ہی میں کوئی شخص اپنی مکمل جائداد تمام اولاد کے درمیان برابر تقسیم کردیتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر برابری ہونی چاہئے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کیا کرو۔

---

[1] سنن ابوداؤد: مجلد الثاني: رقم الحديث 1096، مسند أحمد ط الرسالة مجلد: 29/ 211

وراثت سے "عاق" کر دینے کا حکم:

وراثت کے کئی اسباب ہیں جن میں سے ایک قرابت [رشتہ داری] بھی ہے جو کسی صورت میں ختم نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی کو ختم کرنے کا اختیار ہے۔ الا یہ کہ وہ رشتہ دار کافر ہو ۔البتہ نکاح طلاق سے ختم ہو جاتا ہے اور وہ بھی اگر بیوی کو شوہر اپنے آخری ایام میں میراث سے محروم کرنے کی نیت سے طلاق دے تو اس کے نیت کے برعکس معاملہ کیا جائے گا۔

والدین کی جانب سے اپنی اولاد میں بعض کو جو عاق کرنے کا رواج عام ہے اس سے متعلق فضیلۃ الشیخ عبدالستار حماد حفظہ اللہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے مندرجہ ذیل جواب دیا۔ وہ سوال بمع جواب افادہ عامہ کیلئے یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

سوال: اخبارات میں جو عاق نامہ دیا جاتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا والد کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے نافرمان بیٹے کو وراثت سے محروم کر سکے؟

جواب: انسان کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد کو تقسیم کرنے کا طریقہ کار خود اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ ہے۔ اس میں کسی کو ترمیم واضافہ کا حق نہیں ہے، جو حضرات قانون وراثت کو پامال کرتے ہوئے آئے دن اخبارات میں اپنی اولاد میں سے کسی کے متعلق "عاق نامہ" کے اشتہارات دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑے خوفناک عذاب کی دھمکی دی ہے۔ ہمارے معاشرے میں کہیں تو عورتوں کو وراثت سے مستقل طور پر محروم کر دیا جاتا ہے اور کہیں دوسرے بچوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف لڑکے کو ہی وراثت کا حق دار ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ ضابطہ میراث کے خلاف کھلی بغاوت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ وہ مال تھوڑا یا بہت ہو اور یہ حصہ (اللہ کی طرف) سے مقرر ہے۔" (۴:النساء:۷)

اس آیت کریمہ کے پیشِ نظر کسی وارث کو بلاوجہ شرعی وراثت سے محروم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ماہرین وراثت نے ان وجوہات کو بڑی دلیل سے بیان کیا ہے جو وراثت سے

محرومی کا باعث ہیں عام طور پر اس کی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم میں وہ موانع ہیں جو فی نفسہ وراثت سے محرومی کا باعث بنتے ہیں ان میں غلامی، قتل ناحق اور اختلاف ملت یعنی کفر وارتداد وغیرہ ہیں۔

دوسری قسم میں وہ موانع ہیں جو فی نفسہ تو رکاوٹ کا باعث نہیں، البتہ بالتبع محرومی کا ذریعہ ہوتے ہیں ان میں وارث اور مورث کا اشتباہ بر سر فہرست ہے، جیسے ایک ساتھ غرق ہونے والے، آگ میں جل کر اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ اگر ان کے درمیان وراثت کا رشتہ قائم ہو تو ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے بشرطیکہ پتہ نہ چل سکے کہ ان میں پہلے اور بعد میں کون فوت ہوا ہے۔ احادیث میں بھی اس کی وضاحت ملتی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "جو کسی کی وراثت کو ختم کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر کیا ہے، اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی وراثت کو ختم کر دیں گے۔"

(شعب الایمان للبیهقی : ۱۴، ۱۱۵)

اس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اپنے وارث کو حصہ دینے سے راہ فرار اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا حصہ جنت سے ختم کر دیں گے۔" (ابن ماجہ، کتاب الوصایا:۲۷۰۳)

اگرچہ مؤخر الذکر روایت میں ایک راوی زید العمی ضعیف ہے، تاہم اس قسم کی روایت بطور تائید پیش کی جاسکتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اگر بیٹا نافرمان ہے تو وہ اپنی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں پائے گا۔ لیکن والد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اسے جائیداد سے محروم کر دے۔ بعض لوگ محض ڈرانے کے لئے ایسا کرتے ہیں لیکن ایسا کرنا بھی کئی ایک قباحتوں کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ لہذا رائج الوقت "عاق نامہ" کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔[1] (واللہ اعلم)

مذکورہ بالا تحریر سے مترشح ہوا کہ عاق نامہ ایک ظلم پر مبنی قول وتحریر ہے۔ جس سے ایک مسلمان کو احتراز کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مال کی تقسیم عدل کو اپنانے اور ظلم سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

---

[1] فتاوی اصحاب الحدیث جلد اول، صفحہ 328

❁تعلیم و تربیت

پیدائش سے بلوغت تک

تألیف: عبداللہ بن عبدالعزیز البکری

ترجمہ وتلخیص: خالد حسین گورایہ

زیر نظر مضمون دراصل عالم عرب کے مؤلف عبد اللہ بن عبد العزیز بن محمد البکری حفظہ اللہ کی کتاب " هدي النبي صلى الله عليه وسلم في تربية الأطفال "(بچوں کی تربیت کا طریقہ نبوی ﷺ) کی تلخیص و ترجمہ ہے۔مذکورہ کتاب میں بچوں کی ولادت سے لیکر سنِ بلوغت تک کے مختلف مراحل میں تربیت کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔اپنے موضوع میں انتہائی مفید و نایاب کتاب ہے جو کہ عربی زبان میں شائع ہو چکی ہے۔ موضوع کی افادیت کے پیشِ نظر مذکورہ کتاب سے چند اہم عناوین کو اردو قالب میں ڈھال کر قارئین کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔اللہ تعالیٰ مؤلف کی کاوشوں کو قبول و منظور فرمائے اور اس عظیم کام کو ان کے لئے توشہ آخرت بنائے۔(ادارہ)

✯ آپ ﷺ کی بچوں کے ساتھ رحمت وشفقت:

بچوں کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آنا، ان کی تربیت میں بڑا کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔آپ ﷺ نے ہمیشہ بچوں کے ساتھ شفقت و نرمی کا معاملہ کیا اور اس پہلو پر امت کی رہنمائی بھی فرمائی۔

آپ ﷺ نے بچوں کی تربیت شفقت و نرمی سے جن پہلوؤں پر کی ذیل میں ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

❶ آپ ﷺ کا بچوں کا محبت وشفقت سے بوسہ لینا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بوسہ لیا اور آپ

کے پاس اقرع بن حابس بیٹھے ہوئے تھے، اقرع نے کہا کہ میرے پاس دس بچے ہیں، میں نے کبھی ان کا بوسہ نہیں لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا پھر فرمایا کہ جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا"۔ [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ لوگ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں، ہم تو بوسہ نہیں دیتے، آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالی نے تمہارے دلوں سے رحمت کو کھینچ لیا ہے تو میں کیا کروں؟۔ [2]

سابقہ احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ:

- بچوں کا بوسہ لینا رحمت کے مظاہر میں سے اہم مظہر اور سنت نبویہ بھی ہے۔ جس میں عظیم تربیتی آثار پنہاں ہیں۔ بوسہ بچے کے شعور اور محبت کو ابھارتا ہے، اور اس کے غصہ و چڑچڑے پن کو کم کرنے میں مدد دیتا ہے۔
- **محبت و شفقت سے بچے کو سینے سے لگانا:**

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے سینے سے لگایا اور فرمایا: " اے اللہ اسے کتاب کا فہم و علم عطا فرما۔" [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں کتاب سے قرآن مجید کی سمجھ مراد ہے۔

جناب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مجھے پکڑتے اور اپنی ران پر بٹھاتے اور حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) کو دوسری ران پر، پھر اپنے گلے سے لگاتے اور فرماتے " اے اللہ ان دونوں پر رحم فرما اس لئے کہ میں بھی ان پر مہربانی کرتا ہوں۔" [4]

مذکورہ روایت میں اسامہ بن زید اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اپنی ران پر بٹھانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے اور دیگر مسلمانوں کے بچوں سے ایک جیسا ہی

---

[1] بخاری: الادب، باب رحمۃ الولد و تقبیلھو معانقتہ، حدیث: 5997

[2] بخاری: الادب، باب رحمۃ الولد و تقبیلہ و معانقتہ، حدیث: 5998

[3] بخاری: العلم، باب قول النبي ﷺ، اللھم علمہ الکتاب، حدیث: 75

[4] بخاری: الادب، باب وضع الصبي علی الفخذ، حدیث: 6003

سلوک روا رکھتے تھے۔

✯ بچوں کو اپنی گود میں بٹھانا:

اصحاب رسول ﷺ اپنے بچوں کی اصلاح کیلئے ہمیشہ حریص ہوا کرتے تھے، اس لئے وہ اپنے بچوں کو نبی ﷺ کے پاس برکت اور دعا کیلئے لایا کرتے تھے۔ سیدہ ام قیس بنت محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا چھوٹا بچہ لے کر آئیں، جو کھانا نہ کھاتا تھا، اسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی گود میں بٹھا لیا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوایا اور اس پر چھڑک دیا اور اسے دھویا نہیں۔[1]

اس روایت سے واضح ہوا کہ بچوں سے نرمی سے پیش آنا چاہیئے، اور ان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو اس پر صبر کرنا چاہیئے، اور ان کی سرزنش اور ان پر سختی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ وہ بیچارے غیر مکلف اور ناسمجھ ہوتے ہیں۔

آپ ﷺ کا نماز میں کسی بچے کی رونے کی آواز سن کر قراءت کو مختصر کرنا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں (جب) نماز شروع کرتا ہوں تو اس کو طول دینا چاہتا ہوں مگر بچہ کا رونا سن کر اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں کیونکہ میں اس کے رونے سے اس کی ماں کی سخت پریشانی کو محسوس کرتا ہوں۔[2]

امام نووی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مومنین و متبعین سے نرمی کا معاملہ روا رکھنا چاہیئے، اور ان کی مصلحتوں کو مدنظر رکھا جانا چاہیئے، انہیں کسی ایسی ذرا سی بھی مشقت میں مبتلا نہیں کرنا چاہیئے جو ان پر شاق گذرے، نیز اس حدیث میں عورتوں کا مردوں کی طرح مسجد میں نماز ادا کرنا بھی ثابت ہوتا ہے۔[3]

آپ ﷺ کا خطبہ روک کر منبر سے اترنا اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو پیار کرنا:

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے

---

[1] بخاری: الوضوء، باب بول الصبیان، حدیث: 223

[2] بخاری: الأذان، باب من أخف الصلاۃ عند بکاء الصبي حدیث: 707

[3] شرح النووی علی صحیح مسلم: ص473

اتنے میں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ادھر آنکلے اس وقت وہ سرخ دھاری والا کرتہ پہنے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیکھ کر منبر سے اترے اور ان کو گود میں اٹھالیا اور پھر منبر پر چڑھ گئے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالی نے سچ فرمایا ہے کہ تمھارے مال واولاد آزمائش ہیں میں نے ان دونوں کو دیکھا تو صبر نہ کر سکا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر خطبہ ارشاد فرمایا۔[1]

✯ بچیوں کی خصوصی نگہداشت اور ان پر شفقت کرنے کی ترغیب اور اس کی فضیلت:

بچیوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے، ان پر خرچ کرنے، اور ان کی تعلیم وتربیت اور دیگر معاملات پر صبر کرنا بہت ہی قابل قدر وعظیم عمل ہے، اور اس کی شان بہت ہی اعلیٰ وبلند ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم ﷺ کا بیان ہے کہ "ایک عورت اپنی دو بیٹیوں کو ساتھ لے کر میرے پاس کچھ مانگنے کے لئے آئی، اس کو میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ ملا، میں نے وہ اسے دے دی، اس نے اپنی بیٹیوں میں تقسیم کردی، پھر اٹھ کر چل دی، نبی ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا جو شخص ان بچیوں کو کچھ بھی دے دے اور ان کے ساتھ احسان کرے تو یہ اس کے لئے جہنم کی آگ سے حجاب یعنی پردہ (کا سبب) ہوں گی۔[2]

✯ بچوں کے گروہ کو کھیل کے وقت منتشر نہ کرنے کا حکم:

کھیل کود بچے کی نشو نما اور تربیت میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ صحابہ کے بچوں کو کھلاتے تفریح کراتے ان پر خوشی ومسرت داخل کرتے، انہیں خود سے مانوس کرتے، اور مباح اور جائز کھیل میں ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے۔[1]

---

[1] أبوداؤد: الصلاة، باب الإمام يقطع الخطبة لأمر يحدث. الترمذي: المناقب، باب مناقب الحسن والحسين رضی اللہ عنہما.

[2] البخاري: الزكاة، باب: اتقواالنار ولو بشق تمرة والقليل من الصدقة .

[1] تربية الأولاد للشيخ عبد الله ناصح علوان 730/2 مع تصرف يسير

ذیل میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن میں بچوں کے کھیلنے کا جواز ملتا ہے اور ان کو کھیلتے وقت منتشر نہ کرنے کا حکم بھی مترشح ہوتا ہے۔

جناب انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ اور میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جس کی کنیت ابو عمیر تھی۔ اس کی ایک چڑیا تھی جس سے وہ کھیلا کرتا تھا، وہ چڑیا مر گئی ایک روز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس گئے تو اسے دیکھا کہ غمگیں بیٹھا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کا کیا حال ہے ؟ لوگوں نے کہا اس کی چڑیا مر گئی آپ نے فرمایا کہ اے ابو عمیر چھوٹی چڑیا کو کیا ہوا؟"۔ [1]

مذکورہ بالا حدیث سے دو اہم ترین مسائل اخذ ہوئے جو درج ذیل ہیں۔

❶ بچوں کے کھیل کا جواز۔

❷ بچوں کے ساتھ ہنسی مذاق و ملاطفت کرنے کا جواز۔

امام نووی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث پر تعلیقاً فرماتے ہیں:

"مذکورہ حدیث میں بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔ جن میں (پہلا یہ کہ) جس کی اولاد نہیں اس کا اپنی کنیت رکھنے کا جواز، اور یہ فعل جھوٹ شمار نہیں ہوگا۔ اور یہ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ گناہ کے علاوہ مزاح کرنا جائز ہے۔ نیز بعض ناموں کی تصغیر کا جواز بھی ملتا ہے۔ اور بچے کا چڑیا سے کھیلنے کا جواز، اور ولی اور سرپرست کسی جانور کو بچے کی دسترس میں دے سکتا ہے کہ وہ بچہ اس سے کھیل لے۔ اور تکلف کے بغیر بات میں قافیہ گوئی اختیار کرنا، اور بچوں کے ساتھ ملاطفت اور مانوسیت اختیار کرنا۔" [2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ "میں پیغمبر ﷺ کی موجودگی میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی تھی اور میری سہیلیاں میرے ساتھ کھیلتی تھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لاتے تو وہ چھپ جاتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] البخاري: 6203، مسلم: 2150، أبو داؤد: 4969

[2] شرح النووي على صحيح مسلم: 1613

ان کو بلا کر میرے پاس لے آتے میں پھر ان کے ساتھ کھیلنے لگتی۔[1]

مذکورہ حدیث بچوں کے کھیلنے کے جواز پر اور انہیں کھیلنے سے منع نہ کرنے پر دلالت کرتی ہے۔

جناب انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا میرے پاس سے گذر ہوا اس وقت میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ہمیں سلام کیا، پھر مجھے بلایا اور پھر اپنے کسی کام سے روانہ کر دیا۔۔۔[2]

سلف صالحین اپنے بچوں کو جن کھیلوں کی اجازت دیتے اور اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ان میں اہم ترین کھیل، نیزہ بازی ، کشتی ، دوڑ، تیراکی ، گھڑ سواری، اور بچیوں کا گڑیا سے کھیلنا، پرندوں سے کھیلنا، اور وزن اٹھانا وغیرہ شامل ہیں۔[3]

✯ بچوں کو لعن طعن ملامت، ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کرنے سے گریز کرنا:

بچہ نرم دل ہوتا ہے، وہ مدح و ثناء اور سرزنش و ملامت سے متاثر ہوتا ہے۔ اس لئے نبی ﷺ بچوں کے ساتھ سرزنش ، ڈانٹ ڈپٹ ، اور سختی جیسے معاملات روا نہیں رکھتے تھے۔ اس بات کی دلیل سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ :

> ”میں نے آپ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی، (اس طویل مدت میں) آپ ﷺ نے کبھی ہمیں اف تک بھی نہیں کہا، اور نہ کبھی فرمایا کہ کیوں تو نے ایسا کیا اور نہ یہ فرمایا کہ کیوں تو نے ایسا نہیں کیا۔“[4]

جناب أنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :”نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ بااخلاق تھے ایک روز آپ نے مجھے کسی کام سے بھیجا تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نہیں جاؤں گا حالانکہ میرے دل میں تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کام مجھے کہا ہے

---

[1] البخاري:الأدب،باب الا نبساط إلى الناس،حديث:6130،صحيح مسلم:2440

[2] صحيح مسلم:2482

[3] الاحتفال بأحكام وآداب الأطفال للشيخ عادل بن عبد الله آل حمدان الغامدي: ص257، 259

[4] بخاری:الأدب،باب حسن الخلق والسخاء،وما يكره من البخل،حديث:6038

اس کے لیے ضرور جاؤں گا، پس میں کام کرنے کے لیے نکلا تو چند بچوں پر سے میرا گذر ہو جو بازار میں کھیل رہے تھے پس اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے پیچھے سے میری گردن پکڑ لی میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے آپ نے فرمایا کہ اے انس جہاں جانے کا میں نے تجھے حکم دیا ہے وہاں جاؤ، میں نے کہا: جی اچھا جاتا ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"۔[1]

✯ یتیموں کے سر پر دستِ شفقت رکھنا اور ان کی نگہداشت کرنا:

نبی اکرم ﷺ نے یتیموں کا خیال رکھنے، ان کی پرورش کرنے والے کے لئے جنت کی خوشخبری سنائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا (دو انگلیوں کا اشارہ کرکے فرمایا) اس طرح جنت میں ساتھ ہوں گے۔"[2]

(یعنی جس طرح دو انگلیاں ایک ساتھ ہوتی ہیں اسی طرح یتیم کی نگہداشت کرنے والا نبی ﷺ کے ساتھ جنت میں ہوگا)۔

اسلام نے یتیم کی کفالت و رعایت کیلئے چند آداب بیان فرمائے ہیں جن کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے جن میں سے چند اہم ترین آداب درجِ ذیل ہیں:

❶ اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا، اور اس کے نان نفقے، رہائش و لباس کا انتظام کرنا۔

❷ اس کے ساتھ احسان اور نرمی کا معاملہ کرنا۔ بلکہ یہ صفت تو قرآن مجید میں نیک لوگوں کی اعلیٰ ترین صفت بتائی گئی ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (٩) إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا﴾[1]

---

[1] صحیح مسلم: الفضائل، باب كان رسول الله ﷺ أحسن الناس خلقا.

[2] بخاری: الأدب، باب فضل من يعول يتيما.

[1] سورہ الانسان: 8،9

ترجمہ :"اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدیوں کو۔ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری۔"

❸ اخلاص کو ملحوظ رکھنا، یتیموں کے مال کی اچھے طریقے سے حفاظت کرنا، اور اسے صحیح راہ تجارت میں لگا کر مزید بڑھانا، ان کی اصلاح کرنا، انہیں کسی قسم کی تکلیف دینے سے بچنا، ان سے رحمت و شفقت کا برتاؤ کرنا، ان پر سختی کرنے سے بچنا، فضیلت و تہذیب اخلاق پر ان کی تربیت کرنا۔وغیرہ۔

✯ بچے گم ہو جائیں تو انہیں تلاش کرنا۔اور بچوں کو تحفے تحائف دینا:

آپ ﷺ کا عموما معمول ہوا کرتا تھا کہ جب کبھی حسن و حسین رضی اللہ عنہما آنکھوں سے اوجھل ہوتے تو آپ ﷺ ان کے بارے میں دریافت کرتے کہ "چھوٹا کہاں ہے؟اس کو بلاؤ" ۔

اس طرح گفٹ، تحفے تحائف وغیرہ دینے سے بچے کے دل میں بہت مثبت اثر ہوتا ہے۔ اور اس کے دل میں محبت والفت پیدا ہوتی ہے۔بلکہ تحفے کو تو آپ ﷺ نے لوگوں کے مابین محبت بڑھانے کا اہم ذریعہ بتلایا ہے۔ چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ : ھدیہ (تحفہ) دینے سے دو دلوں میں محبت قائم ہو گی" ۔[1]

آپ ﷺ کے پاس جب باغ کا پھل آتا تو آپ سب سے پہلے مجلس میں موجود سب سے چھوٹے بچے کو عنایت کرتے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں :"رسول اللہ ﷺ کے پاس جب (موسم کا) پہلا پھل آتا تو آپ فرماتے :" اے اللہ ہمارے مدینے اور ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، اور ہمارے مد اور صاع (ناپ تول کے پیمانے) میں برکت پر برکت عطا فرما" پھر آپ مجلس میں موجود سب سے چھوٹے بچوں کو بلاتے اور انہیں وہ پھل عنایت کرتے"۔[1]

---

[1] الأدب المفرد:حديث:594

[1] صحيح مسلم:الحج،باب فضل المدينة ودعاء النبي ☐ فيها بالبركة.

✯ بچوں کی اخلاقی تربیت کا طریقہ نبوی ﷺ:

اخلاقی تربیت کے حوالے سے سب سے پہلے بچوں میں موجود فاسد اور بد اخلاقی کے پہلوؤں کا صفایا کرنا ضروری ہے۔ اور پھر یہ ذہن نشین رہے کہ اخلاق و فضائل تک رسائی تعلیم کے ذریعے، بہترین نمونہ بننے ، اور آپ ﷺ کی سیرت کی اتباع سے ہی ممکن ہے۔ آپ ﷺ کے دور کے بچے اخلاقیات کی اعلیٰ مثال پر قائم تھے۔

بچوں کو شرعی آداب کی تعلیم دینا جس میں سب سے سرِ فہرست والدین کی فرمانبرداری، بڑوں کا احترام، بھائیوں سے ادب سے پیش آنا، اور گھروں میں داخلے کے وقت اجازت طلب کرنے کی تربیت دینا جیسے معاملات شامل ہیں۔

باادب ہونے کی کتنی فضیلت اور شرف ہے ؟ اور انسان اس سے کیا مقام حاصل کر سکتا ہے ؟ اس بات کو ایک شاعر نے اپنے ان الفاظ میں سمو دیا ہے۔

کن ابن من شئت و اکتسب أدباً   یُغنِیكَ مَحمُودُهُ عَنِ النّسَبِ

"تم بیٹے چاہے جس کے بھی ہو، مگر ادب ضرور سیکھو۔ ادب کی وجہ سے تعریف آپ کو رفعتِ نسب کی طلب سے مستغنی کر دے گی۔"

بچوں کو گھر میں (بالخصوص اہل خانہ کے کمرے میں) داخل ہونے کی اجازت لینے کے آداب کی تعلیم دینا۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، وہ انسان کی زندگی کی اس کے ہر مرحلے پر تنظیم و ترتیب کرتا ہے۔ اور انسان کے ہر تعلق اور واسطے میں اس کی راہنمائی کرتا ہے۔ اسی ضابطہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مربی اور سرپرستوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ان بچوں کو جو ابھی تک سنِ بلوغت تک نہیں پہنچے انہیں اپنے گھر (اور بالخصوص اپنے والدین یا دیگر کے خاص کمروں میں) داخل ہونے سے پہلے تین اوقات میں اجازت طلب کرنے کی تربیت دیں۔

1. فجر کی نماز سے پہلے، کیونکہ اس وقت لوگ عموماً نیند کے لباس میں ہوتے ہیں۔
2. قیلولہ یعنی دوپہر کے وقت کیونکہ اس وقت بھی انسان اپنے اہل خانہ ساتھ بے

تکلفی اور بے پردگی کی حالت میں ہوتا ہے۔

❸ عشاء کی نماز کے بعد، کیونکہ یہ نیند اور آرام کا وقت ہے، اس میں لوگ اپنے لباس اتار کر نیند کے لباس زیب تن کرتے ہیں۔[1]

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۛ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾[2]

ترجمہ: ”ایمان والو! تم سے تمہاری ملکیت کے غلاموں کو اور انہیں بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں (اپنے آنے کی) تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد، یہ تینوں وقت تمہاری (خلوت) اور پردہ کے ہیں، ان وقتوں کے ماسوا نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر، تم سب آپس میں ایک دوسرے کے پاس بکثرت آنے جانے والے ہو (ہی)، اللہ اس طرح کھول کھول کر اپنے احکام سے بیان فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمت والا ہے۔“

✯ مذکورہ تین اوقات میں اجازت طلب کرنے کی حکمت:

یہ تین اوقات چونکہ عام طور پر بے تکلفی اور بے پردگی کے ہوتے ہیں اس لئے غلاموں اور نابالغ بچوں کو بھی اجازت کیلئے کہا گیا۔ اور وہ بغیر اجازت اندر داخل نہیں ہو سکتے کہ مبادا ان میں سے کسی کی نظر گھر والوں (میاں بیوی) کے کسی ایسے حال پر پڑ جائے جس میں دیکھنا ان کو پسند نہ ہو۔ اس لئے پرائیویسی کے ان تین اوقات میں داخلے کیلئے غلاموں اور نابالغ بچوں کو

---

[1] تربية الأولاد في الاسلام، للشيخ عبد الله ناصح العلوان 334/1

[2] سورة النور: 58

بھی داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا ضروری ہے، کہ کہیں ان کی نظریں اپنے اہل خانہ پر بے پردگی کی حالت میں نہ پڑ جائیں۔[1]

کیونکہ یہ تینوں وقت آرام وراحت، سکون ونینداور تنہائی ویکسوئی کے اوقات ہوتے ہیں جن میں عام طور پر انسان آرام کرتا ہے،اور بے تکلفی کے ساتھ رہتا ہے۔

یہ حکم بچوں کے لئے اس وقت تک ہے جب تک وہ بالغ نہیں ہو جاتے،اور جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان پر ہر وقت اجازت لینا ضروری ہے، کیونکہ وہ بلوغت کے بعد اجنبی کے حکم میں داخل ہو جاتے ہیں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾[2]

ترجمہ: ”اور تمہارے بچے (بھی) جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح ان کے اگلے لوگ اجازت مانگتے ہیں انہیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے اللہ تعالیٰ تم سے اسی طرح اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی علم وحکمت والا ہے۔“

مکارم اخلاق اپنانے کیلئے بچوں کی راہنمائی کرنا،اور انہیں حسد، بغض، کینہ جیسی رذیل عادات سے بچنے اور دلوں کو پاک کرنے، اور اس کی جگہ نرمی، بردباری، محبت والفت پیدا کرنے کی تربیت دینا۔

حسد اور بغض وکینہ سے دل کا پاک ہونا انسان کی طبیعت میں نفسیاتی توازن قائم رکھتا ہے۔یہی چیز اسے معاشرے کی بھلائی کے جذبے سے سرشار کرتی ہے۔

بعض اہل علم کا فرمانا ہے کہ:

”بندے کیلئے سب سے زیادہ راحت منداور آرام دہ اور اس کے غم کو دور کرنے،اس کی آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا کرنے والی چیز اس کے سوا کچھ نہیں کہ بندہ اپنے دل کو صاف کرکے زندگی گذارے۔ وہ ہر قسم کے کینہ وبغض کے وسوسوں سے پاک ہو، اگر

---

[1] تربية الأولاد في الاسلام: 1،334

[2] النور: 59

وہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کسی کی طرف کھنچی چلی آرہی ہے تو اس پر خوشی اور مسرت اور اللہ تعالیٰ کے فضل کو محسوس کرے۔ اور یہ بھی محسوس کرے کہ بندے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اور اگر وہ یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو کوئی تکلیف یا پریشانی لاحق ہو رہی ہے تو اس پر وہ رنجیدہ و غمگیں ہو، اور اللہ تعالیٰ سے امید اور دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کی اس پریشانی کو دور فرمادے، اور اس کے گناہ کو معاف فرمادے۔ ایسا کرنے سے ہی مسلمان صاف دل اور پر سکون رہ سکتا ہے۔ اور اسی صورت وہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور اپنی زندگی کو خوش و خرم گذار سکتا ہے۔ اور بغض، کینہ و حسد کے اندھے پن سے آرام میں رہ سکتا ہے، کیونکہ کینہ و بغض کے باعث دل کا خراب ہونا، ایک لاعلاج اور مہلک مرض ہے اور ایمان بہت ہی جلد ایسے دھوکے باز حاسد کے دل سے رخصت ہو جاتا ہے جیسا کہ ٹوٹے ہوئے برتن سے پانی بہہ جاتا ہے۔[1]

✯ حقد و حسد کی مذمت میں وارد بعض احادیث:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"پیر اور جمعرات کے دن بندوں کے اعمال (رب کریم) کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ کہ جو مغفرت کا طلبگار ہے اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔ اور جو توبہ کرتا ہے اس کی توبہ قبول کرلی جاتی ہے۔ اور بغض والے لوگوں کو ان کے بغض کے ساتھ واپس لوٹا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے اس بغض کی خصلت سے وہ تائب نہ ہو جائیں۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص مجھے میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کی کوئی بات نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری طرف اس حال میں نکلوں کہ میرا سینہ صاف ہو"۔[1]

---

[1] خلق المسلم: محمد غزالی، ص 86
[2] رواه الطبراني في الأوسط: ورواته ثقات .
[1] ابو داؤد: 4860

✯ رازوں اور اسرار کی حفاظت پر بچوں کی تربیت کرنا:

راز کو پوشیدہ رکھنا ایک مسلمان کے اخلاق حمیدہ میں سے ہے۔ جس سے بچے کی اصلاح، خاندان کی سلامتی بچے کے مستقبل کی بہتری وابستہ ہوتی ہے، اور اسی سے معاشرہ اور اس کی بنیادوں کی حفاظت ہوسکتی ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے بچوں کی اس عظیم اخلاقی پہلو پر تربیت کرنے کا خصوصی اہتمام فرمایا، جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی عبد اللہ بن جعفر کو راز پوشیدہ رکھنے کی نصیحت کی۔

جناب عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے سواری پر سوار کیا، اور مجھے ایک راز کی بات بتائی، میں وہ بات کسی کو نہ بتاؤں گا۔[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی والدہ کی طرف جانے لگا تو آپ ﷺ نے مجھے کسی کام سے بھیج دیا۔ وہ کام کر کے میں جب والدہ کے پاس آیا تو والدہ نے مجھ سے پوچھا کہ: تمہیں کس چیز نے روک لیا تھا؟ میں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے کسی کام سے روانہ کردیا تھا۔ وہ فرمانے لگیں: کس کام سے بھیجا تھا۔ تو میں نے کہا کہ: یہ تو رسول اللہ ﷺ کا راز ہے۔ تو میری ماں کہنے لگی: رسول اللہ ﷺ کے راز کو چھپا کر رکھو اس کی حفاظت کرو۔ ثابت بنانی کہتے ہیں: انس نے مجھ سے کہا کہ: اگر میں وہ بات کسی کو بیان کرتا تو تمہیں ضرور بیان کرتا۔[2] (یعنی وہ راز تھا اس لئے کسی کو بیان نہیں کروں گا)

✯ بچوں کو سچائی اپنانے کی تربیت دینا:

سچائی ایک محبوب ترین خصلت ہے، جسے فطرت سلیمہ پسند کرتی ہیں، اور آسمانی شریعتوں نے اس کی دعوت دی ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" سچائی بندے کو دونوں جہانوں میں سربلند و سرفراز کرتی ہے جبکہ جھوٹ انسان کو

---

[1] صحیح مسلم: فضائل الصحابة: حدیث : 2429

[2] مسلم: 2482

دونوں مقامات پر ذلیل ورسوا کر دیتا ہے۔ اگر سچائی کی کوئی قابل تعریف خصلت نہ ہوتی تو اس کی یہ ایک ہی صفت اسے ممتاز کر دیتی ہے کہ کوئی بندہ اگر سچائی سے پہچانا جانے لگا ہے تو بسا اوقات دنیا اس کا جھوٹ بھی قبول کر لیتی ہے ۔اور جو بھی اسے سنتا ہے اس کے نزدیک یہ جھوٹی بات بھی سچی سمجھی جانے لگتی ہے۔"

لہذا ایک عقل مند پر ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان کی سچائی پر ریاضت کیلئے حتی الوسع کوشش کرے تا آنکہ وہ سچائی پر استوار ہو جائے اور جھوٹ سے بچنے لگے"۔ [1]

لہذا بچے کی تربیت میں سچائی جیسے اعلیٰ اخلاق کے بیج بونے کی بہت بڑی اہمیت ہے اور اس میں بچے کی شخصیت کی تعمیر میں اس کا بہت بڑا کردار ہے۔ کیونکہ بچہ مستقبل کا معمار ہے۔ امت کے بہت سے معاملات اس کے ہاتھ میں آنے ہیں۔ اسی سچائی کی اہمیت کے سبب قرآن مجید میں اس کا بہت سے مقامات پر تذکرہ وارد ہوا ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [2]

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔"

نیز فرمایا:

﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ [3]

ترجمہ: "اور جو سچے دین کو لائے اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پارسا ہیں۔"

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ:

"نبی ﷺ نے فرمایا کہ سچائی نیکی کی طرف اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ بدکاری کی طرف اور بدکاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا

---

[1] روضة العقلاء، ونزهة الفضلاء، لابن حبان، ص45، نقلا عن أبي حاتم

[2] التوبة: 119

[3] الزمر: 33

ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالی کے نزدیک کاذبین (جھوٹوں) میں لکھا جاتا ہے"۔[1]

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"بیچنے والے اور خریدنے والے کو اختیار ہے جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوں کہا اگر دونوں سچ بولیں اور صاف صاف بیان کریں تو ان دونوں کی بیع (خرید وفروخت) میں برکت ہوگی اور اگر دونوں نے چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان دونوں کی بیع (خرید وفروخت) کی برکت ختم کر دی جائے گی"۔[2]

بچوں کو صغر سنی سے ہی اپنے کام خود کرنے اور خرید وفروخت، تجارت اور جائز کاموں میں حصہ لینے کی تربیت دینا۔

اسلام نے رزق حلال کی تلاش پر ترغیب دی ہے، اور بندے کے ہاتھ کی کمائی کو اُشرف اعمال اور اُللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بتایا ہے۔ایک مربی اور سرپرست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زیرِ تربیت بچوں کو معاشرتی کام (یعنی خرید وفروخت، حرفت وصناعت وزراعت وغیرہ) کرنے پر ابھارے اور حوصلہ افزائی کرے۔تاکہ بچہ بچپن سے ہی خود دار بنے اور اپنے کام خود انجام دینے کی مشق کرے۔ جس سے اس میں خود اعتمادی پیدا ہوگی اور وہ بڑا ہو کر بہت جلد ہی معاشرے کا حصہ بن جائے گا۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی اہمیت کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے کام اپنے ہاتھوں سے کیا کرتے تھے نوح علیہ السلام نے کشتی اپنے ہاتھ سے خود بنائی۔ داؤد علیہ السلام لوہے کو پگلا کر اس سے ڈھالیں اور جنگی نیزے بنایا کرتے تھے۔ موسی علیہ السلام نے طویل عرصے مدین میں بکریاں چرائیں ، ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ سید المرسلین ہیں اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ : میں چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا"۔[1]

---

[1] بخاری:6094 مسلم:2607

[2] بخاری:2079 مسلم : 1532

[1] بخاری:الإجارة،باب رعي الغنم علی قراریط.

✯ بعثت سے قبل آپ نے تجارت کیلئے سفر کیا:

یہ کام اگر بچے بچپن میں انجام دیں گے تو ان میں خود اعتمادی، پیدا ہو گی اور وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے کسی اور کے ہاتھ کی طرف نہیں دیکھیں گے، اور نہ ہی احساس کمتری میں مبتلا ہوں گے۔

جائز اور مشروع مجالس میں حاضر ہونے کیلئے بچوں کی حوصلہ افزائی کرنا، اور بڑوں کی مجلس میں کبھی انہیں بھی بات کرنے کا موقع فراہم کرنا۔

والدین اور سرپرستوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کو شادی بیاہ وغیرہ کی رسومات ودیگر مجالس میں جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں شریک کریں۔ اور اس کیلئے ان کی حوصلہ افزائی کریں، تاکہ وہ اخلاق وسلوک اور معاشرتی طور پر فائدہ اٹھائیں اور معاشرے سے بخوبی متعارف ہوں۔

جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو غالبا کسی شادی سے آتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے سروقد کھڑے ہو کر تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ شاہد ہے تم مجھے سب سے زیادہ پیارے اور محبوب ہو"۔ [1]

اسلام نے اس پہلو پر بھی تربیت دی ہے کہ والدین اپنے بچوں میں خود اعتمادی پیدا کریں، اور انہیں بڑوں کی موجودگی میں بات کرنے کا موقع فراہم کریں، اور بڑوں کو ایسے موقع پر بچوں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ انہیں ایسے موقع پر بات کرنے سے منع کرنا چاہئے۔ کیونکہ ایسا کرنا بچے میں احساس کمتری وکہتری پیدا کرتا ہے اور بچہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اکیلے کچھ نہیں کر سکتا، اور نفسیاتی طور پر یہ حالت ایسی ہے کہ بچے کی شخصیت کی تعمیر پر منفی اثرات چھوڑتی ہے، پھر جب یہی بچہ بڑا ہوتا ہے تو وہ ایک لاغر اور کمزور وناتواں شخصیت کے طور پر ابھرتا ہے، اکثر کاموں میں اس میں خود اعتمادی کا فقدان ہوتا ہے، لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم ایسے معاملات میں نبی ﷺ کے طریقہ کو اختیار کریں اور بچے کو بسا اوقات بڑوں کی مجلس میں

---

[1] بخاری:النکاح ،باب ذهاب النساء والصبيان إلى العرس.

بات کرنے کا موقع دیں، بچوں پر سلام کریں، اور بعض معاملات کی انہیں اجازت مرحمت فرمائیں۔تاکہ بچے کی تربیت مثبت پہلو پر ہو سکے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی مثال اس سرسبز درخت کی طرح ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے ہیں لوگوں نے کہا وہ تو فلاں فلاں درخت ہے لیکن میں نے کہنا چاہا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں کم عمر جوان تھا اس لئے مجھے کہنے میں شرم آئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔(ابن عمر فرماتے ہیں) میں نے یہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر تو اس کا جواب دے دیتا تو میرے نزدیک اتنے اور اتنے (مال) سے بہتر ہوتا"۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مجھے بدر کے بوڑھوں کے پاس بٹھایا کرتے تھے ان میں سے بعض کے دل میں خیال پیدا ہوا اور کہا کہ اس کو تم ہمارے برابر بٹھاتے ہو حالانکہ ہمارے تو اس جیسے بیٹے ہیں عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا اس وجہ سے کہ تم جانتے ہو چنانچہ ایک دن انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلایا اور ان لوگوں کی مجلس میں شریک کیا ابن عباس کا بیان ہے کہ میرا خیال ہے کہ اس دن صرف اس لئے مجھے بلایا تھا کہ انہیں معلوم ہو جائے۔ جناب عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ اللہ کے قول (اذا جاء نصر اللہ والفتح) کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ بعضوں نے کہا ہمیں حکم دیا گیا کہ اللہ کی حمد بیان کریں اور مغفرت طلب کریں جب کہ ہماری مدد کی جائے اور فتح ہو بعض خاموش رہے اور کچھ نہ کہا تو جناب عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھ سے کہا ابن عباس! تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں! انہوں نے کہا تو پھر کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی طرف اشارہ ہے جس کی خبر اللہ نے آپ کو دی اللہ نے فرمایا (إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ)[1]

---

[1] بخاری: باب مالا يستحى من الحق للتفقه في الدين.

[1] النصر: 110

تو یہ آپ کی وفات کی علامت ہے (فسبح بحمد ربك واستغفره إنه كان توابا) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اس کے متعلق اس سے زیادہ نہیں جانتا جو تم کہتے ہو"۔ [1]

✯ بچوں کو سلام کرنے کی تربیت دینا:

سلام سنت مؤکدہ ہے جس کے کرنے والے کو ثواب اور اجر عظیم حاصل ہوتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان فرد کیلئے ضروری ہے کہ وہ خود کو اس سنتِ مؤکدہ کا پابند بنائے۔ اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تربیت دے۔ سلام کرنے کا اور اس کا جواب دینے کا معاشرتی پہلو سے بھی بہت مثبت اثر ہے اور بے پناہ فائدے ہیں۔ اور اس کی حیثت ایک اجتماعی آداب کی حیثیت ہے۔

سلام کی اہمیت کے حوالے سے قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ میں متعدد دلائل وارد ہوئے ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾ [2]

ترجمہ: "مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے اور ان کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ) شاید تم یاد رکھو۔"

مزید فرمایا:

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ [1]

ترجمہ: "اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں کو) سلام کیا کرو (یہ) اللہ کی طرف سے مبارک (اور) پاکیزہ (تحفہ) ہے اس طرح خدا اپنی آیتیں کھول کھول کر

---

[1] بخاری: الفسیر، سورۃ (إذا جاء نصر الله) .

[2] النور: 27

[1] النور: 61

بیان فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو۔"

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی اور جب میں نے یہ محسوس کیا کہ میرا کام ختم ہو چکا ہے میں سمجھا اب رسول اللہ ﷺ قیلولہ کریں گے۔ لہذا میں بچوں کے پاس آ گیا جو کھیل رہے تھے۔ فرماتے ہیں: میں ان بچوں کے پاس آ گیا تا کہ ان کا کھیل دیکھ سکوں۔ پھر آپ ﷺ آئے آپ نے بچوں کو سلام کیا۔ پھر مجھے بلایا اور کسی کام سے روانہ کر دیا۔۔۔۔۔" [1]

سیدنا عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ **السلام علیکم** آپ نے اس کا جواب دیا پھر وہ بیٹھ گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دس نیکیاں مل گئیں پھر دوسرا شخص آیا اس نے کہا **السلام علیکم ورحمۃ اللہ** آپ نے اسے بھی جواب دیا تو وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا کہ بیس نیکیاں مل گئیں پھر تیسرا شخص آیا اس نے کہا کہ **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ** آپ نے اس کو جواب دیا آپ نے فرمایا کہ تیس نیکیاں مل گئیں کہ پورا سلام کیا، سنت تو **اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ** سے بھی ادا ہو گئی لیکن پورا سلام کرنے پر اجر زیادہ ہے۔ [2]

ایک مربی اور سرپرست کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچے کے دل میں سلام کے آداب کا رسوخ پیدا کرے۔ اور اس پر اس کی مشق کرائے۔ ان آداب میں چند اہم ترین آداب ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں:

1. بچے کو سکھایا جائے کہ شریعت نے سلام کرنے اور اس کا جواب دینے کا حکم دیا ہے۔ (جیسا کہ گذشتہ آیات میں بیان ہوا ہے)۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول ﷺ کونسا اسلام بہتر ہے۔؟ آپ نے فرمایا: کھانا کھلاؤ، اور جان اور انجان کو

---

[1] صحیح مسلم:2482،مسند أحمد:195/3حدیث کے الفاظ مسند احمد کے ہوں۔
[2] أبو داؤد: کتاب الأدب، باب کیف السلام؟حدیث:5195

سلام کرو۔[1]

اور آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، اور جب لوگ سوئے ہوں اس وقت نماز پڑھو، تو تم جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ گے۔"[2]

❷ بچے کو سلام کی کیفیت اور طریقے کی تعلیم دی جائے۔ اور سلام کا ادب سکھایا جائے، ہر سوار پیدل چلنے والے پر سلام کرتا ہے، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص پر، تھوڑے افراد زیادہ افراد پر، چھوٹا بڑے کو، سلام کرتا ہے۔ جیسا کہ ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سوار شخص پیدل شخص کو سلام کرے گا اور کھڑا ہوا شخص بیٹھے ہوئے کو سلام کرے گا اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں گے۔"[3]

❸ بچوں کو ایسے سلام سے منع کیا جائے جس میں غیر مسلموں سے مشابہت پائی جاتی ہو۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے ہمارے علاوہ کسی اور کی مشابہت اختیار کی اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ یہود و نصاری کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ یہودیوں کا سلام انگلیوں کے اشارے سے اور عیسائیوں کا سلام ہاتھ سے اشارہ کرنا ہے۔"[1]

❹ بچے کو یہ تعلیم دی جائے کہ غیر مسلم کے سلام کا جواب "وعلیکم" سے دے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب اہل کتاب یعنی یہود و نصاری تمہیں سلام کریں تو تم ان کے جواب میں کہو وعلیکم"۔[2]

---

[1] بخاری: 12، مسلم: 39

[2] ترمذی: 2485، ابن ماجہ: 1335، علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح سنن ترمذی میں اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[3] بخاری: 6232، مسلم: 2160

[1] الترمذی: 2695، اس روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح سنن ترمذی میں حسن کہا ہے۔

[2] بخاری: 6258، مسلم: 2163

اور بچے کو یہ تعلیم بھی دی جائے کہ اہل کفر کو سلام کی ابتدا نہ کی جائے۔ انس رضی اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " یہود و نصاریٰ کو سلام کی ابتدا نہ کرو۔[1]

مربی اور سرپرست کو چاہیے کہ بچوں کو سلام کی تعلیم دینے کیلئے، پہلے خود انہیں سلام کیا کرے۔ جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ کا گذر بچوں پر ہوا تو آپ نے انہیں سلام کیا، اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ معمول ہوا کرتا تھا۔ (یعنی بچوں کو سلام کرنا)۔[2]

❺ بچے کو یہ تعلیم دی جائے کہ سلام کی ابتدا کرنا سنت ہے، اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴾[3]

ترجمہ: "اور جب تم کو کوئی دعا دے تو (جواب میں) تم اس سے بہتر (کلمے) سے (اسے) دعا دو یا انہیں لفظوں سے دعا دو، بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔"

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دو آدمیوں کی ملاقات ہو کون پہلے سلام کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے زیادہ نزدیک ہوگا وہ سلام میں پہل کرے گا۔

لہذا مربی اور سرپرست کی ذمہ داری ہے کہ وہ سلام کے آداب کی خود بھی پابندی کریں، اور بچوں کو بھی اس کی تعلیم دیں، تاکہ وہ اپنی معاشرتی زندگی میں اسلام کے اس سنہرے اصول کو رائج کرکے خوش و خرم رہ سکیں، اور لوگوں سے معاملہ کرتے وقت اس سنت پر عمل پیرا ہو سکیں۔

(نبی ﷺ کی والدین کیلئے تربیت کے حوالے سے چند نصیحتیں اور ذمہ داریاں اور تربیت کے چند دیگر سنہری پہلو آئندہ قسط میں ملاحظہ فرمائیں)

---

[1] مسلم: 2167
[2] بخاری: 6247، مسلم: 2168
[3] النساء: 86

تبصرہ کتب

کراچی کے عوامی کتب خانے

تبصرہ نگار: حافظ محمد یونس اثری [1]
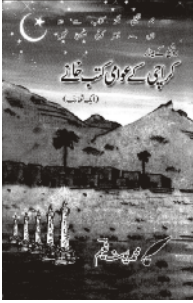
نام کتاب	کراچی کے عوامی کتب خانے
مصنف	محمد یوسف نعیم
صفحات	۲۷۲
قیمت	درج نہیں
ناشر	عبدالرحمٰن دارالکتاب کراچی
ملنے کا پتا	

مولانا محمد یوسف نعیم ایک کتاب دوست شخصیت ہیں جس کی یہ کتاب آئینہ دار ہے۔ محمد یوسف نعیم صاحب بڑی محنت شاقہ کے ساتھ اس کتاب کو ترتیب دیا ہے۔اس میں کراچی کے کتب خانوں کے حوالے سے دلچسپ معلومات بڑے اختصار کے ساتھ جمع کی ہیں۔ موصوف کی یہ کتاب تشنگان علم کو اپنی پیاس بجھانے کیلئے بہت اہمیت وافادیت کی حامل ہے۔

اس کتاب " کراچی کے عوامی کتب خانے " کے حوالے سے معلومات مثلا لائبریری کا نام،اس کا تعارف، قیام،انچارج کا نام، تعداد کتب،اوقات کار، تعطیلات عملہ، نشستیں،اجرائے کتب کا طریقہ کار، اخبارات، اور مجلات، یومیہ استفادہ، سہولیات، پوسٹل ایڈریس،ای میل ایڈریس،ویب سائٹ، بس روٹس،اسٹاپ اور لائبریری تک پہنچنے کا راستہ بیان کیا گیا ہے۔لہذا یہ کتاب ایک طرح سے لائبریری گائیڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ موصوف نے نہایت سادہ وسلیس انداز اختیار کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں این ای ڈی یونیورسٹی سنٹرل لائبریری پر تبصرہ بھی موجود ہے۔ نیز اس کتاب پر ڈاکٹر عبدالرؤف پاریکھ کا ڈان نیوز میں شائع ہونے والے

---

[1] مدرس معہد السلفی للتعلیم والتربیۃ کراچی

آرٹیکل میں تبصرہ اس کتاب کی مقبولیت کو واضح کر دیتا ہے۔ یہ تبصرہ کتاب کے آغاز میں بھی تحریر کر دیا گیا ہے۔اور اس کتاب کے شروع میں پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ کا نہایت دلچسپ و نفیس مقدمہ مزید اس کتاب کو چار چاند لگا دیتا ہے۔موصوف کی یہ کتاب ہر خاص و عام اور تمام مکاتب فکر کیلئے بلکہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق کتب خوانوں کیلئے یکساں مفید ہے۔ موصوف نے کتاب کا نام'' کراچی کے عوامی کتب خانے'' رکھا۔ مگر آخر میں اپنی کتاب دوستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیز اہل ذوق کیلئے طبعہ دوم میں مکتبہ راشدیہ جو کہ نیو سعید آباد سندھ میں واقع ہے۔جو کہ شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کا ذاتی کتب خانہ تھا ۔کا تعارف بھی شامل کر دیا ہے۔ نیز اس کتاب میں محدث العصر علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کا انٹرویو اور ان کے ذاتی کتب خانے کا تعارف بھی موجود ہے۔ موصوف نے کراچی کے تمام کتب خانوں کے تعارف کا بالاستیعاب التزام نہیں کیا۔ لہذا یقینی طور پر اس میں کئی ایک کتب خانوں کا تعارف و معلومات موجود نہیں،اور وجہ یقیناً موصوف کا مطلع نہ ہونا ہو گی۔

تبصرہ کتب

مقالات ختم نبوت

تبصرہ نگار: الشیخ محمد طیب معاذ [1]
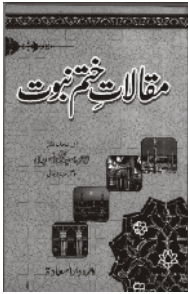
نام کتاب	مقالات ختم نبوت
مصنف	ابو حمزہ سعید مجتبی السعیدی حفظہ اللہ
صفحات	103
قیمت	درج نہیں
ناشر	دارالسعادۃ۔ منکیرہ، بکھر پاکستان۔
ملنے کا پتا	پاکستان بھر کے معروف مکتبات سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

عقیدہ ختم نبوت کا شمار دینِ اسلام کے بنیادی عقائد میں ہوتا ہے۔ تکمیلِ ایمان کیلئے ختم نبوت بنیادی شرط ہے۔ دینِ اسلام کے دشمنوں نے دیگر اسلامی عقائد کی طرح اس عقیدہ میں بھی شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں۔ برصغیر پاک وہند میں اس بنیادی عقیدہ کے خلاف مذموم کردار غلام احمد قادیانی نے ادا کیا جو کہ در اصل انگریز کا دم چھلہ اور غلام تھا۔

علمائے اہلحدیث روزِ اول سے ہی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والے مذموم عناصر کی بیخ کنی کے لیے قلمی، لسانی اور عملی طور پر مصروف عمل ہیں. (تقبل اللہ مساعیھم)

زیرِ تبصرہ کتاب بھی دفاع ختم نبوت کے ایمانی جذبے سے ترتیب دی گئی ہے۔ فاضل مصنف فضیلۃ الشیخ پروفیسر الشیخ ابو حمزہ سعید مجتبی السعیدی فاضل مدینہ یونیورسٹی کا تعلق معروف علمی ودینی گھرانے سے ہے۔ متعدد علمی و تحقیقی کتب کے مؤلف اور کامیاب مترجم ہیں۔ مسلک اہلحدیث اور دیگر مکاتبِ فکر کے جرائد میں وقتاً فوقتاً ان کے رشحات قلم قارئین کی علمی پیاس بجھاتے رہتے ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب دراصل ختم نبوت سے متعلق شائع شدہ

---

[1] مدرس جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی

مقالات کا مجموعہ ہے۔اس مجموعہ مقالات میں ✵ عقیدہ ختم نبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں ✵ خاتم النبیین اور مرزائیوں کے شبہات لا نبی بعدہ کی وضاحت ✵ محمدی بیگم سے مرزا کے نکاح کی رغبت، سعیٔ پیہم اور ناکامی کی داستانِ عبرت ✵ حیات سیدنا مسیح علیہ السلام ✵ فاتح قادیان اور مرزائیوں کے ہاں معتبر فقہ فقہ حنفیہ ہے۔ جیسے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ہر مقالے میں موضوع سے متعلق قرآن وسنت کے دلائل کے ساتھ فریقِ مخالف کی معتبر کتابوں کی عبارات بھی تحریر کی گئی ہیں تاکہ متلاشیانِ حق کے سامنے اس فرقہ کی ضلالت وکج روی مکمل طور پر واضح ہو جائے۔ تحریر میں سلالت روی ، سلیس بیانی املائی قواعد کا لحاظ شروع سے آخر تک کامیابی سے برقرار رکھا ہے۔ سخن ہائے گفتنی میں مسئلہ ختم نبوت میں اہلحدیث اکابر کی جدوجہد کا دل آویز تذکرہ ہے جبکہ حرفے چند معروف قلم کار خاور رشید بٹ صاحب نے سپرد قلم کئے۔ مصنف کتب کثیرہ مولانا ارشد کمال صاحب نے انتہائی عرق ریزی سے اس کتاب پر نظر ثانی فرمائی ہے ۔ جس سے کتاب کی استنادی حیثیت دوچند ہوگئی ہے۔ عقیدہ ختم نبوت کی معرفت اور مرزائیوں کے شبہات کے ازالے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ کتاب کے مندرجات، حوالہ جات سے فاضل مؤلف کی محنتِ شاقہ کا پتہ چلتا ہے۔ رب باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ عقیدہ ختم نبوت کی پاسداری کی بدولت فاضل مؤلف اور دار السعادہ کے منتظمین کو سعادتِ دارین سے نوازے۔ آمین

گذارش: اگلے ایڈیشن میں اگر کتاب کے ٹائٹل کو موضوع سے ہم آہنگ بنانے کے لئے مزید محنت کی جائے تو بہتر رہے گا۔ مشاہیر میں سے کسی کا اندرون ٹائیٹل اگر موضوع کی مناسبت سے قطعہ، رشحات فکر لگا دئے جائیں تو بہت مناسب ہو گا۔

تبصرہ کتب

اہل حدیث کا منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت اور نوعیت

تبصرہ نگار: الشیخ محمد طیب معاذ[1]
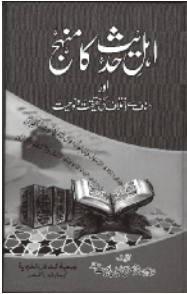
کتاب کا نام: اہل حدیث کا منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت اور نوعیت

مؤلف: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

صفحات :

قیمت: درج نہیں

ناشر: ام القری پبلی کیشنز گوجرانوالہ جمعیۃ المناہل الخیریۃ

نہج منہج اور منہاج کے الفاظ واضح اور روشن راستے پر بولے جاتے ہیں جبکہ اصطلاح میں منہج یا منہاج سے مراد بنیادی اصول وضوابط کا تعین اور ان متعین اصولوں کے مطابق مسائل کو حل کرنے کا علمی طریقہ کار ہے۔

درست اور صحیح منہج ہی صراط مستقیم کا دوسرا نام ہے۔افسوس کے ساتھ تحریر کرنا پڑرہا ہے کہ دیگر اصطلاحات کی طرح اس علمی وعقدی اصطلاح کو بھی ہر گروہ اپنی فکر اور سوچ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کررہا ہے۔

الحمدللہ اہل حدیث ہی وہ طائفہ منصورہ ہے جس نے حقیقی معنوں میں اپنے عقیدہ و منہج اور کردار و عمل میں کسی تقلیدی وابستگی کے بغیر قرآن و حدیث کی بالادستی کو نہ صرف قائم رکھا، بلکہ اس عقیدہ اور منہج کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کا تعاقب کیا، مسلک حقہ اہل حدیث عقیدہ صافیہ اور منہج مستقیم کی وضاحت اور احناف سے اختلاف کی حقیقت و نوعیت جیسے علمی موضوعات کو زیر تبصرہ کتاب میں واضح کیا گیا ہے، اس تصنیفِ لطیف کے مؤلف معروف

---

[1] مدرس جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی

عالم دین اور مصنف کتب کثیرہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ مدیر شعبہ تحقیق وتالیف دارالسلام لاہور ہیں۔ باری تعالی نے حضرت حافظ صاحب کواخاذ ذہن اور سیال قلم سے نوازا ہے۔ فاضل مؤلف نے اس سے قبل دین اسلام کی تعلیمات کے مختلف عنوانات سے جو علمی سرمایہ سپرد قلم کیا وہ مدتوں یادرکھا جائے گا۔

مذکورہ بالا تصنیفِ لطیف میں انہوں نے جہاں دلائل وبراہینِ قاطعہ کے ذریعے اہل حدیث کے منہج ومسلک کو بیان کیاہے وہاں براہین قاطعہ کے ساتھ حنفیہ کے عقائد کابطلان بھی واضح کردیاہے۔کتاب میں احناف کو تین گروہوں میں تقسیم کیاہے

❶ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردانِ رشید امام محمد اور امام ابویوسف رحمہمااللہ اوران کی سوچ وفکر کے حاملین دیگر فقہائے حنفیہ ، ان سے اہل حدیث کا اصولی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی مسائل میں قولِ فیصل قرآن وسنت کے واضح نصوص اور آثار سلف ہیں ۔

❷ دوسرا گروہ ۔ یہ علماء کرام اکثر وبیشتر حدیث کی صحت وضعف کے معیار اور نقدو تحقیقِ حدیث کے لئے محدثین کرام کے وضع کردہ اصول وضوابط کو تسلیم کرتے ہیں ۔ مگر صد افسوس جب کوئی صحیح حدیث ان کے فقہی مسائل کے مخالف ہو یااس سے ان کے خودساختہ عقائد پر ضرب پڑتی ہوتو پھر وہ اسے حیلے یا خودنما اصول کی تحت رد کردیتے ہیں ۔دراصل یہ غیر محدثانہ روش ہے

❸ احناف کا تیسرا گروہ انتہائی غالی قسم کاہے حدیث کی ان کی ہاں اہمیت نہیں بلکہ تقلیدِ حرام پر فخر کرتے ہیں۔ فاضل مؤلف نے احناف کے تینوں گروہوں سے متعلق مثالوں کے ساتھ تفصیلی بحث کی ہے۔

کتاب کی نمایاں خصوصیات:

① متکلم اسلام مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ کا فکرانگیز مضمون تعارفِ اہل حدیث

بطور مقدمہ شامل کیا گیا ہے ۔

② عقائد دیوبند سے متعلق معلومات فریق مخالف کی معتمد ترین کتاب المہند علی المفند سے لی گئی ہیں اور ہر عقیدہ حنفیہ پر قرآن وسنت کی روشنی میں جرح کی گئی ہے ۔

③ احناف کی علمی خیانتوں کا باحوالہ تذکرہ۔

④ اکابر پرستی کے نقصانات سے متعلق حنفی عالم کا فکری مضمون گویاشہد شاھد من اھلھا

⑤ محدث العصر حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کے ارشاداتِ عالیہ ۔

⑥ امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کا مضمون بعنوان ’’اہل حدیث کا طرز استدلال وطریق اجتہاد اور احناف کا خود ساختہ اصولوں کی بنیاد پر احادیث کا انکار‘‘ اس مضمون میں حضرت میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے احناف کے خود ساختہ اصولوں پر شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے ۔

⑦ جامعہ ابن تیمیہ لاہور کے سابق شیخ الحدیث اور معروف سلفی عالمِ دین فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالرحمن ضیاء صاحب کا مقالہ جو کہ ’’اہل حدیث اور اہل تقلید کے منہج میں فرق‘‘ کے عنوان سے ہے اس میں مولانا حفظہ اللہ نے ناقابل تردید دلائل کے ذریعے بوجہ تقلید صحیح احادیث سے انحراف کی ۲۱ مثالیں ذکر کی ہیں کتاب کے آخر میں ماضی قریب کی عظیم الشان علمی شخصیت حدیث نبوی کے عظیم خادم الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کا مکالمہ درج کیا ہے جس میں انہوں نے اہل حدیث اور سلفی القابات پر روشنی ڈالی ہے

کتاب کا ٹائٹل کاغذ کمپوزنگ اور ڈیزائنگ بہترین ہے، اس کتاب کے ذریعے فاضل مؤلف نے اہل حدیث اور احناف کے مابین اختلافات کی خلیج کو پاٹنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

ہم منہج اہل حدیث سے محبت اور ملکِ عزیز میں اتحاد واتفاق کے خواہش مند افراد سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس قیمتی کتاب کو زیادہ سے زیادہ عام کریں ۔ جزاکم اللہ خیرا

“A COMBINED FATWA”

BY SCHOLARS, MUFTIS AND VARIOUS PARTY REPRESENTATIVES

BELONGING TO THE “AHLE-HADITH” SCHOOL OF THOUGHT

ON THE ISSUE OF:

TAUHEEN–E–RISALAT (SALLALLAHU ALAIHI WASALLAM)

Any individual who commits blasphemy in the honor and sanctity of Mohammad (peace be upon him) or ridicules any aspect of the Messenger’s Seerah and his life, or demeans him and tries to extract errors from his personality, or makes fun of him, or associates vain and vile talk with him, or uses inappropriate words in the sanctity of the Messenger (peace be upon him), whether in an obvious or an obscure manner, is to be termed as “GUSTAKH-E-RASOOL”, and this act of the concerned individual will be classified as “TAUHEEN-E-RISALAT”.

After conducting an impartial and unbiased judicial investigation into the matter, the following order or ruling is applicable on the individual who has committed TAUHEEN-E-RISALAT.

- If the GUSTAKH-E-RASOOL is a Muslim, then as per the rulings of the Shari’ah, he/she will be declared a ‘murtad’, for which the punishment prescribed by the Quran and Sunnah is the death penalty.
- If the GUSTAKH-E-RASOOL is a non-Muslim, then as per the rulings of the Shari’ah, the punishment prescribed for his/her act is also the death penalty.

- Whether the GUSTAKH-E-RASOOL is protected by an agreement or is a 'zimmi', his/her agreement and zimma will be considered void as per the rulings of the Shari'ah, and the punishment prescribed for his/her act is also the death penalty.
- If the GUSTAKH-E-RASOOL seeks forgiveness (*tauba*), it will not invalidate the Shar'iah's ruling regarding his/her act, and the death penalty will stand as the prescribed punishment. However, his/her matter in the Hereafter lies solely in the hands of Allah (SWT), yet the definitive worldly punishment for a GUSTAKH-E-RASOOL, as per the rulings of the Shari'ah, is the death penalty.

THIS "MUTUALY AGREED UPON AND COMBINED" FATWA WAS ISSUED BY SCHOLARS, MUFTIS AND VARIOUS PARTY REPRESENTATIVES OF THE AHLE-HADITH SCHOLARS, ORGANIZED UNDER THE AUSPISCES OF

"MARKAZ AL-MADINAH AL-ILMI"

(AL–MADINAH ISLAMIC RESEARCH CENTER)

D.H.A PHASE 4, KARACHI.

NOTE:

Names of the Respected Mufti's appear at the end of the urdu fatwa which can be viewed in the beginning of this magazine.